انجمن طیلسانیین عثمانیہ حیدرآباد دکن کا

مجلس ادارت

فہرست

جلد پنجم (۱) بابتہ سنہ ۱۳۵۰ ف م سنہ ۱۹۴۱ء شمارۂ اول تا چہارم

اداریہ

یہ شمارہ بعض ناگزیر دقتوں کی وجہ سے غیر معمولی تاخیر سے شائع ہو رہا ہے۔ اس عرصہ میں اس ہر آن بدلنے والی دُنیا کی بہت سی چیزیں بدل گئیں لیکن جنگ کا دیوتا ابھی تک انسانی خون آشام شغلے سے سیر نہیں ہوا۔ اس آگ کے شعلے سارے یورپ میں پھیلے ہوئے ہیں کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس بھسم کر دینے والی ہوا کا رُخ کل کس طرف کو ہوگا۔ ساری دُنیا عذاب میں مبتلا ہے۔ عراق۔ شام اور ایران پر اس کی ایک ہلکی سی زد پڑ چکی ہے۔ اور ہندوستان تک بھی اس کی لپٹیں پہنچ رہی ہیں۔ مایحتاج زندگی کی گرانی اس کا پہلا مرحلہ تھا۔ مزید پیچیدگیاں سامنے ہیں۔

علمی، صحافتی اور طباعتی کاروبار پر اس کا جو اثر پڑا ہے، وہ خاص طور پر تنگ سرمایہ صحیفوں کی کمر بٹھا دینے کیلئے کافی ہے۔ مجلۂ طیلسانیین کو بھی اس مصیبت کا پورا حصّہ مل رہا ہے۔ یہ وقت طیلسانی بھائیوں کے احساس اور توجہ کی آزمائش کا ہے۔ ہر طیلسانی پر اس کی مدد جماعتی فرض ہے اس دُنیا میں متحدہ محاذ کے بغیر زندگی دشوار ہے، اور اس صحیفہ کی خدمات ان کی اجتماعی زندگی کے لئے ناگزیر ہے۔ اس حقیقت سے غفلت برتی گئی تو ہمارا نقصان ہے اور ممکن ہے کہ یہ فرزند اپنی ماتا، انجمن کے لئے خرّاج اولاد ثابت ہو۔

حیدر آباد کی خاموش زندگی میں چند روز پہلے صدارت عظمٰی کی تبدیلی سے تھوڑی بہت ہلچل پیدا ہوئی۔ رائٹ آنریبل سر اکبر حیدری، نواب حیدر نواز جنگ بہادر چھتیس سالہ مدت خدمت میں صدر محاسبی امور عامہ کی معتمدی فینانس کی معتمدی اور صدر المہامی سے ترقی کرتے کرتے آخر صدارت عظمٰی کے ذمہ دارانہ عہدہ سے وظیفہ حُسن خدمت پر سبکدوش ہوئے۔ اور مرکزی حکومت ہند میں وزیر معلومات عامہ کا عہدہ پُر کرنے کیلئے چُنے گئے۔ صدارت عظمٰی کی اہم خدمت کیلئے حضرت اقدس اعلیٰ نے کرنل سر احمد سعید خاں، نواب صاحب چھتاری کا انتخاب فرمایا، جن کا خیر مقدم طیلسانی برادری نہایت خلوص کے ساتھ کرتی ہے۔ اس نئے تقرر سے ملک اہل ملک اور خاص طور پر تعلیمیافتہ طبقے اور طیلسانی برادری میں فطرتاً وہ تمام توقعات زندہ ہو گئے ہیں جو ایک عظیم تر حیدر آباد کے تصور کے خد و خال کی صورتیں ذہنوں میں گھوم رہے تھے۔ اُمید ہے کہ یہ دورِ سعید ان خوابوں کی تعبیر ثابت ہوگا ملکوں کی ترقی کا اصلی راز اسکے ذرائع اور قابلیتوں کی تعمیر و تنظیم ہے اسی کو اس عہد میں رو بہ راہ ہوتے دیکھنے کیلئے ہم چشم براہ ہیں۔

اس وقت طیلسانیین عثمانیہ کی ایک زبردست جماعت ساری سلطنت کے طول و عرض میں پھیلی ہوئی ہے اور تعمیر شائستگی کے سارے مراکز پر حاوی ہے۔ ان میں سے ہر شخص اپنی اپنی بساط اور صلاحیت کے مطابق سرگرم عمل ہے لیکن چند نمایاں ہستیوں کے سوا دوسروں کے قابل ذکر کارناموں سے عام طیلسانیوں کو واقف ہونے کے کم موقع حاصل ہیں۔ مجلۂ طیلسانیین اپنے وجود کو اس وقت تک موجہ نہیں سمجھتا جب تک یہ صفحات اس خدمت کو انجام نہ دیں۔ ایک متحد عثمانی ذوق، متحد رائے، متحد کردار، متحد نقطۂ نظر اور ان کے اظہار کیلئے متحد زمین ہموار کرنا، اس صحیفہ کا بنیادی فرض ہے ادارہ اس فرض سے غافل نہیں ہے تاہم دور دراز پھیلے ہوئے بھائی اور بہنوں سے توقع ہے کہ وہ اپنے قابلِ ذکر حالات اور کارناموں سے ادارہ کو واقف رکھنے میں تساہل نہ فرمائینگے۔

پچھلے چند دنوں میں عثمانی طیلسانی برادری کا سب سے اہم واقعہ اس برادری میں حضرت والا شان معظم جاہ بہادر کا شمول ہے۔ اس ماہ نومبر کی ۱۱ کو جامعہ عثمانیہ نے ایک مخصوص جلسۂ اسناد میں حضرت والاشان کی خدمت میں اعزازی طیلسان ال ال ڈی پیش کرنیکی عزت حاصل کی عثمانی طیلسانی برادری کیلئے حضرت ممدوح الشان کے خطبہ کا وہ حصّہ خاص طور پر افتخار کا باعث ہے جس میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

> ”میری دُعا ہے کہ علم کی ترویج میں ہم طیلسانیوں پر جو ذمہ داریاں عاید ہوتی ہیں ان کو محسوس کریں اور ہماری جامعہ قوم کی اخلاقی اور ذہنی تربیت کی ضامن ہو“

ایسی برگزیدہ ہستیوں کی اس برادری کے ساتھ وابستگی، اُن کے کردار اور اعزاز کی کسقدر ضامن ہے بیان نہیں کیجا سکتی۔ طیلسانی برادری حضرت ممدوح الشان کی خدمت میں ہدیہ تبریک پیش کرتی ہے اور آپکے ارشادات خاص کو اپنے لئے پیام روح بخش تصور کرتی ہے۔

گذشتہ ماہ میں امیر کبیر، نواب اعانت جنگ معین الدولہ بہادر کے انتقال کا سانحہ ملک کیلئے ناقابلِ تلافی نقصان تھا، اس سانحہ کی وجہ سے ساری طیلسانی برادری اپنے بھائی نواب محمد ظہیر الدین خان بہادر بی۔ اے (عثمانیہ) کے رنج و غم میں اپنے آپ کو شریک پاتی ہے اور دُعا کرتی ہے کہ مرحوم کو عقبیٰ کی زندگی میں بھی ایک اعلےٰ مقام ملے اور پسماندوں کو صبر جمیل عطا ہو۔

نواب محمد ظہیر الدین خاں بہادر جواب امارت پائیگا آسمان جاہی پر فائز ہوئے ہیں علم و عمل اور وسیع

عالیجناب نواب سالار جنگ بہادر بالقابہ

عالمی سفر کے تجربوں کے علاوہ اعلیٰ ذاتی کردار کے کمیاب اوصاف سے متصف ہیں۔ توقع ہے کہ ان خوبیوں کے ساتھ آپ اپنے مہتمم بالشان اسلاف کے صحیح جانشین ثابت ہونگے ملک کی بہت ہی بلند توقعات آپ کی ذات سے وابستہ ہیں۔

اس سال جن طیلسانیوں کو اعزاز حاصل ہوئے ان میں ممتاز طیلسانی اردو کے مشہور خدمت گذار ادیب اور بانی و معتمد اعزازی ادارۂ ادبیات اردو ڈاکٹر سید محی الدین قادری زورؔ ام اے (عثمانیہ) پی ایچ ڈی (لندن) ڈی پی ایچ (سوربون فرانس) ہیں جنہیں ان کی کل ہند ادبی شہرت اور تنظیمی قابلیت کی بدولت صدر اور پروفیسر شعبہ ادب و زبان اردو کی اہم خدمت پر ترقی ملی۔ دوسرے ملک کے ممتاز وکیل اور پبلک کارگزار مولوی عبدالرؤف صاحب بی اے ال ال بی (عثمانیہ) ہیں جنہیں ان کی نمایاں شخصیت اور قانونی قابلیت کے اعتراف میں عدالت العالیہ کا اڈوکیٹ مقرر کیا گیا۔ ساری طیلسانی برادری کیلئے یہ باعث طمانیت ہے ایسے اعزاز ہر صاحب ہمت اور کارگزار طیلسانی ہی کا حق ہیں۔

اس سال کے سیول سروس مقابلے میں حسب ذیل عثمانی طیلسانیین منتخب ہوئے۔

(۱) مسٹر سری کشن سنہا بی۔ اے (عثمانیہ)

(۲) مسٹر اکبر الحسن جعفری بی۔ اے (عثمانیہ)

طیلسانی برادری انہیں مبارکباد دیتی اور ملک و مالک کی بے لوث خدمت اور عثمانی کردار کا نمونہ بننے کی ان سے توقع رکھتی ہے۔

نواب مولوی میر اکبر علی خاں صاحب بیرسٹر سابق صدر انجمن کو حضرت اقدس اعلیٰ کے الطاف نے جو غیر معمولی اعزاز بخشا وہ عثمانی برادری کے لئے ہر آئینہ موجب افتخار ہے۔ اور سب سے بڑی تعریف جو کسی حیدرآبادی کی ہو سکتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ مالک کا خیر خواہ ہے۔

حضرت میر مومن

(بانیٔ دائرہ)

نام اور لقب | اصل نام میر محمد مومن تھا۔ اور عام طور پر میر صاحب یا میر مومن صاحب کے نام سے مشہور ہوئے شاہ عباس صفوی نے جب محمد قلی قطب شاہ کے انتقال کی تعزیت اور سلطان محمد کی تخت نشینی (۱۰۲۰ھ) کی تہنیت کے لئے اپنے سفیر حسین بیگ قبچانی کو حیدرآباد روانہ کیا تو ایک فرمان میر صاحب کے نام بھی علیحدہ ارسال کیا تھا اور اس میں ان کا نام امیر محمد مومنا عراستر آبادی لکھا ہے۔[۱]

میر صاحب نے قطب شاہی سلطنت میں اگرچہ انتہائی عروج و اقتدار حاصل کیا تھا اور دو بادشاہوں کے عہد میں پیشوائے سلطنت اور مختار کل رہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ کوئی خطاب قبول نہیں کیا۔ قطب شاہی تاریخوں میں ان کو حسب ذیل القاب سے یاد کیا گیا ہے :-

۱۔ نواب علامی فہامی پیشوائے عالمیان میر محمد مومن[۲]

۲۔ نواب علامی فہامی مرتضائے ممالک اسلام میر محمد مومن[۳]

۳۔ نواب مرتضائے ممالک اسلام میر محمد مومن[۴]

۴۔ نواب علامی فہامی میر محمد مومن[۵]

۵۔ جناب نقابت مآب[۶]

۶۔ جناب سیادت و نقابت پناہ علامی فہامی میر محمد مومن استر آبادی[۷]

۷۔ جناب سیادت منزلت، مہر سپہر فضل و عزت پیشوائے عالمیان المؤید بتائید المہیمن میر محمد مومن[۸]

ڈبلد دوم علمی و رضوی جات ۱۰۵۲ھ

[۱] حدایق السلاطین ورق ۹۲ اب۔ [۲] دیکھو حدیقۃ السلاطین صفحہ ۷۔ [۳] ایضاً صفحہ ۹۔ [۴] ایضاً صفحہ ۹

[۵] ایضاً صفحہ ۲۸۔ [۶] حدایق ورق ۱۹۱ الف۔ [۷] حدیقۃ العالم صفحہ ۲۶۴ [۸] ایضاً صفحہ ۲۶۶۔

۸۔ نواب علامی فہامی پیشوائے اہل ایمان میر محمد مومن[ف۱]

۹۔ حضرت سیادت و نقابت پناہ علامی میر محمد مومن[ف۲]

۱۰۔ عالی حضرت سیادت مرتبت، مشتری منزلت، خورشید روح فضل و کمال، مہر سپہر عزت و اقبال، مرتضائے ممالک اسلام، مقتدائے طوایف انام، الواثق بتائید المہیمن میر محمد مومن، رکن سلطنت و پیشوائے این دولت خانہ[ف۳]

۱۱۔ زبدہ و پیشوائے حضرت رسالت میر محمد مومن[ف۴]

۱۲۔ حضرت سیادت و نقابت دستگاہ مرتضائے ممالک اسلام[ف۵]

شاہ ایران نے اپنے مذکورہ فرمان میں ان کے لئے حسب ذیل القاب لکھے ہیں :۔

"سیادت و نقابت پناہ، افادت و افاضت دستگاہ، مستجمع الفضائل والکمالات، شمساً السیادۃ والنقابۃ والدین[ف۶]"

عبداللہ قطب شاہ نے ان کی وفات کے پندرہ سال بعد ان کی جاگیرات وغیرہ کی بحالی کے سلسلہ میں جو فرمان سنہ ۱۰۵۰ھ میں نافذ کیا اس میں ان کے یہ القاب درج کئے ہیں ۔

"سیادت و نجابت پناہ، افادت و افاضت دستگاہ، قدوۃ المحققین اسوۃ المدققین، مرتضی ممالک اسلام، مقتدائے طوایف انام، خلاصۂ اولاد رسول، زبدۂ احفاد بتول[ف۷]"

میر صاحب نے ایک رسالہ مقداریہ لکھا تھا جسکے دو تین نسخوں کا اسوقت تک پتہ چلا ہے لیکن نواب سالار جنگ بہادر کے کتب خانہ میں اس کا ایک ایسا اہم نسخہ ہے جو خود میر مومن صاحب کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے اسکے سرورق پر محمد قطب شاہ کی مہر کے ساتھ میر صاحب کا نام اسطرح لکھا ہے :۔

"تصنیف میر مومن پیشوا[ف۸]"

ف۱۔ حدیقۃ العالم صفحہ ۲۷۴۔ ف۲۔ تاریخ محمد قطب شاہی ورق ۲۸۵ ب ف۳۔ تاریخ محمد قطب شاہی ورق ۲۸۷ ا ف۴۔ تاریخ محمد قطب شاہی ورق ۲۸۹ ا ف۵۔ تاریخ محمد قطب شاہی ورق ۳۰۱ ا۔

ف۶۔ حدایق ۱۹۲ ب ف۷۔ مرقع ادارہ ادبیات اردو نمبر ۸ ورق ۵۔ ف۸ ایضاً ورق ۲

اسی طرح میر مومن صاحب کے نبیرہ سید محمد نے اپنے ایک محضر مورخہ سنہ ۱۱۰۶ھ میں ان کا نام اس طرح لکھا ہے:۔

"جنت مکانی فردوس آشیانی میر محمد مومن پیشوائے قطب الملک"[1]

ان تمام تحریروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ میر محمد مومن اپنے نام کے علاوہ نواب علامی فہامی اور مرتضائے ممالک اسلام اور پیشوا کے القاب سے عام طور پر یاد کیئے جاتے تھے۔ اور دونوں بادشاہوں کے زمانہ یعنے تقریباً چالیس سال کی طویل عزت و عظمت اور پیشوائی و وکالت مطلق کے باوجود اپنے لیے کوئی خطاب مقبول نہیں کیا تھا۔

خاندان اور والدین میر صاحب کے خاندان کا تعلق استراباد کے مشاہیر سادات سے تھا۔ سلاطین و امرائے ایران ان کے آبا و اجداد کی بڑی عزت کرتے تھے۔ تاریخ عالم آرائے عباسی میں (جو میر صاحب ہی کی زندگی میں لکھی گئی تھی) لکھا ہے:۔

"از سادات عظام استرآباد" (مطبوعہ ایران صفحہ ۱۵۹)

فرشتہ لکھتا ہے:۔

"آباءً و اجداداً نزد سلاطین ایران معزز و مکرم بودند" ص ۱۷۳

گلزار آصفی میں لکھا ہے:۔

بزرگان آن جناب ہم در دیار ایران مخدوم بادشاہان عالی تبار بودہ اند۔ و بخدمات شایستہ جلیل القدر و مدار المہامی و وزارت مامور ماندند" ص ۶۰۸

میر صاحب کے والد کا نام سید علی شرف الدین سماکی تھا۔ لیکن خود انکے قلم سے لکھا ہوا جو رسالہ مقداریہ اسوقت موجود ہے اس میں انہوں نے اپنا اور اپنے والد کا نام اسطرح لکھا ہے:۔

"عبد مامور محمد مومن بن علی الحسینی عفی عنہما"[2]

دوسری قدیم کتابوں میں ان کے والد کا نام کہیں درج نہیں البتہ محبوب الزمن میں لکھا ہے:۔

"میر مومن نام شرف الدین سماکی کے فرزند"[3]

---

[1] اس محضر کا تفصیلی ذکر آئندہ صفحات میں درج ہے۔ [2] مرقع ادارہ نمبر ۸ ورق ۳ [3] محبوب الزمن جلد ۲ صفحہ ۹۹۰

تعجب ہے کہ خود میر صاحب نے اپنے والد کے نام کے ساتھ شرف الدین نہیں لکھا۔ لیکن اتنا ضرور ہے کہ یہ صحیح ہوگا کیونکہ اس زمانہ کے ایسے نام اکثر نظر سے گذرتے ہیں چنانچہ میر صاحب کے اُستاد کا نام سید علی نور الدین الموسوی تھا[سلہ]۔ ممکن ہے کہ میر صاحب نے اختصار کی خاطر اپنی کتاب میں جہاں اپنے نام کے آگے میر نہیں لکھا اپنے والد کا نام بھی مختصر کر کے لکھا ہو۔

میر صاحب کی والدہ مشہور عالم و فاضل امیر فخر الدین سماکی کی بہن تھیں[سلہ]۔ یہ امیر اپنے علم اور شرافت کی وجہ سے بہت قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور مشہور فاضل میر غیاث الدین منصور کے خاص شاگردوں میں شمار ہوتا تھا۔

ولادت | میر صاحب کی تاریخ ولادت ٹھیک طور پر تو معلوم نہ ہو سکی البتہ اتنا کہا جا سکتا ہے کہ وہ دسویں صدی ہجری کے اوسط میں یعنی سنہ ۹۶۰ھ ہجری سے قبل پیدا ہوئے کیونکہ وہ سنہ ۹۸۶ھ سے کئی سال پیشتر ہی اتنے متبحر اور عدیم المثال عالم اور صاحب تقویٰ بزرگ مشہور ہو چکے تھے کہ شاہ طہماسپ نے ان کو شہزادہ کا اتالیق مقرر کیا اور اس خدمت کو وہ ایک مدت تک انجام دیتے رہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ جب وہ محرم سنہ ۹۸۹ھ میں ایران چھوڑ کر حیدرآباد پہونچے تو اسوقت ان کی عمر کسی طرح تیس ۳۰ سال سے کم نہ تھی۔

تعلیم و تربیت | میر محمد مومن کی تعلیم و تربیت نہایت اعلیٰ پیمانہ پر ہوئی۔ چنانچہ ابتدا میں خود اُن کے ماموں نے ان کو علوم معقول و منقول کی تعلیم دی اور بچپن ہی سے تواضع، فروتنی، کسر نفسی اور خوش خوی کی کچھ ایسی عادت ڈال دی کہ یہ ہونہار تمام عمر اسپر عمل پیرا رہا اور ہمیشہ اخلاق حسنہ کی داد حاصل کی۔ علی ابن طیفور بسطامی نے لکھا ہے:-

> "در ایام جوانی کہ بہار زندگانی است تحصیل کمالات نفسانی از خدمت خال بزرگوار خود نمودہ در علوم معقول و منقول نقش مہارت بر صفحۂ ضمیر طلبہ علوم میکاشت۔ بصفت تواضع و فروتنی و کسر نفسی و خوشخوی اتصاف داشتہ درآں باب مبالغہ می نمود[سلہ۳]۔"

ماموں کی تعلیم کے علاوہ میر صاحب نے کتب حدیث و ادب میں مولٰنا سید علی نور الدین الموسوی شستری سے استفادہ کیا اور سند حاصل کی تھی[سلہ۴]۔

سلہ۱۔ تذکرہ علی مولفہ محمد بن سلیمان صـ۹۹ سلہ۲۔ تاریخ عالم آرائے عباس صفحہ ۱۵۹ و حدایق السلاطین ورق ۱۷ م ا؟
سلہ۳۔ حدایق ورق ۱۷ م ا؟۔ سلہ۴۔ تذکرہ علما صـ۹۹ و محبوب الزمن جلد دوم صفحہ ۹۹۵۔

حدیث کے سوا علم جفر، نجوم، فتح عزیمت اور تسخیر جنات میں انتہائی کمال حاصل کیا تھا جس کا تذکرہ آئندہ صفحات میں درج رہے گا۔

شاہ ایران کے دربار میں | تحصیل علم سے فراغت حاصل کرنے کے بعد میر صاحب اپنے ماموں کے ساتھ شاہ طہماسپ صفوی کے اردوئے معلےٰ میں پہنچے۔ بادشاہ نے ان کے علم وفضل اور اخلاق وشائستگی کو دیکھکر اپنے دربار میں باریاب اور نوازش شاہانہ سے سرفراز کیا ساتھ ہی شاہزادہ حیدر مرزا کی تعلیم وتربیت کے لئے بطور اتالیق کام کرنے کا فرمان جاری کیا۔ تاریخوں میں لکھا ہے:-

"حسب الفرمان حضرت خاقان بہ تعلیم شاہزادہ مغفور[1] ....

"باردوئے معلائے شاہ جنت مکان شاہ طہماسپ آمدند۔ وبنوازش پادشاہانہ سرفراز گشتند۔ حسب الفرمان قضا جریان جناب میر خجستہ بہ تعلیم شاہزادہ عالمیان سلطان حیدر مرزا قیام نمودند"[2]

"در عہد شاہ طہماسپ بمنصب معلمی شہزادہ سلطان حیدر سرفرازی داشتہ"[3]

غرض میر مومن صاحب نے ابتدا ہی سے اپنی شرافت نسبی، محاسن اخلاق، اور علم وفضل کی وجہ سے انتہائی عزت و وقعت کی زندگی بسر کی۔ شاہ عباس جیسے بادشاہ کا کسی نوجوان کو اپنے شاہزادے کی تعلیم کے علاوہ اتالیقی اور ادب آموزی کا کام بھی سپرد کرنا ظاہر کرتا ہے کہ میر صاحب کی پیشانی پر شروع ہی سے عظمت کا ستارہ چمک رہا تھا۔

ایران سے ہجرت | میر صاحب کا نیا اقبال متقاضی تھا کہ وہ ایران میں محض ایک شاہی اتالیق کی حیثیت سے قیام پذیر نہ رہیں۔ ان کی قسمت میں تو ایک بڑی سلطنت کی پیشوائی، اور ایک بہت بڑے بادشاہ کا مختار کل ہونا لکھا تھا۔ اور اسکے لئے ضروری تھا کہ ایران میں ایسے اسباب ہوتے کہ ان کے دل میں وہاں سے ہجرت کر جانے کا خیال پختہ ہو جاتا۔ چنانچہ سب سے پہلے تو انکا شاگرد سلطان حیدر مرزا عنفوان شباب میں انتقال کر گیا۔ پھر شاہ اسمٰعیل کے عہد میں وہ ایران میں توقف کرنے کی تاب نہ لاسکے۔[4]

---

[1] - عالم آرائے عباس صفحہ ۱۵۹۔ [2] - حدایق السلاطین ورق ۱۸۱ [3] - یدبیضا صفحہ ۲۷۶۔

[4] "درزمان استیلائے اسمعیل مرزا تاب توقف ایران نیاوردہ" عالم آرائے عباس صفحہ ۱۵۹۔

اور تیسری اور سب سے اہم وجہ یہ ہوئی کہ ان کے ہم چشم ان کے تبحر علمی اور زہد و تقویٰ کی وجہ سے ان سے حسد کرنے لگے۔ ہم چشموں میں ممتاز رہنے کی وجہ سے یوں تو ابتدا ہی سے وہ محسود ہو گئے تھے لیکن جب شاہزادہ کا انتقال ہو گیا تو ان کے مخالفین کی بن آئی۔ چونکہ یہ علم معقول میں عدیم المثال سمجھے جاتے تھے اور علم جفر اور عملیات میں بھی دلچسپی لیتے تھے، اسکے علاوہ بڑے عقیل و فہیم تھے اسلئے حاسدین نے ان کے خیالات کو دہریت اور الحاد کی طرف منسوب کیا اور ان کے اخراج کے درپے ہوئے۔

آخر کار میر صاحب خود ان مخالفتوں کے باعث ایران سے دل برداشتہ ہو گئے اور سنہ ۹۸۶ھ میں قزوین سے تہیہ سفر کیا اور عراق و عرب کی طرف نکل کھڑے ہوئے۔ جہاں حج اور زیارتوں سے فارغ ہونے کے بعد وہ ہندوستان چلے آئے اور یہاں قطب شاہی پائے تخت گولکنڈہ میں قیام کیا، اس سلطنت میں میر صاحب کو بے حد اعزاز و احترام حاصل رہا۔

سیّد محی الدین قادری زور

ترک اور ترکی زبان

(یہ مضمون ایک جلسے کی اغراض کے لئے لکھا گیا تھا)

اگر جغرافی پھیلاؤ کا لحاظ کیا جائے تو آج کل مشرق میں عربی کے بعد ترکی ہی سب سے اہم زبان سمجھی جاسکتی ہے۔ ترکی قوم ایڈریانوپل سے لیکر مغربی چین تک پھیلی ہوئی ہے اور اگرچہ اناطولیا کی ترکی اور ترکستان و کاشغر کی ترکی میں کافی فرق ہے لیکن یہ فرق ایسا ہی ہے جیسا کہ اردو اور بنگالی یا پنجابی اردو میں۔

ترکوں کو دوسری اہمیت یہ حاصل ہے کہ جاپان کے بعد مشرق میں غالباً یہی سب سے طاقتور مملکت کے مالک ہیں اور خاص کر اسلامی ممالک میں انہیں اولیت اور رہنمائی کا منصب حاصل ہے۔ اس وقت ترکی قوم کے عام اوصاف اور تاریخی حالات سے کوئی خاص بحث کرنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی صرف پس منظر کیلئے اتنا یاد رہے کہ مسلسل کئی صدیوں سے بتیس دانتوں میں زبان بنے رہنے کے بعد جب ۱۹۱۸ء میں اتحادیوں نے اپنی دانست میں ترکوں کی ترکی تمام کردی اور جلے ہوئے گھر کی رہی سہی راکھ پر بھی یونانی مسلّط ہوگئے تو ایک مشہور عالم خدائی کرشمہ دنیا کے مشاہدے میں آیا اور واقعی معنوں میں مردہ نہ صرف زندہ ہوگیا بلکہ اپنا ڈولہ لیجانے والوں کی وہ درگت بنائی کہ انہوں نے بیک بینی و دو گوش بھاگنے ہی میں خیر دیکھی اور انہیں بہت کچھ چھوڑ بھی جانا پڑا۔ چنانچہ مراعات خصوصی کا قیمتی مال غنیمت ترکوں کو اسطرح حاصل ہوا تھا۔ مگر اس نئی جیون سے ترکی کی کایا پلٹ ہوگئی اور وہاں ایک نئی ذہنیت کی ایک نئی قوم نے جنم لے لیا۔ سب جانتے ہیں کہ ایک نئی قوم کتنی حساس ہوتی ہے اگر یہ قوم محض اپنے زور بازو پر لڑ جھگڑ کر کامیاب ہوئی ہو اور یہ جیت دنیا کی طاقتور ترین قوموں کے مقابلے میں ہوئی ہو تو ان کے حسّاس پن میں کتنا کچھ نہ اور اضافہ ہو جائیگا۔ سابق کی لگاتار ذلتیں اب یاد آ کر سابق حریفوں کے متعلق طبیعت کو چڑچڑا بنا دینا، سابق تکلیفوں اور شکستوں کا باعث ہونیوالوں سے جھٹ خفا ہونے لگنا، اپنے آپ کو فرو تر کی جگہ اب برتر سمجھنے کے جذبے ہی میں نہیں بلکہ خبط میں مبتلا ہو جانا ــــ یہ سب ناگزیر باتیں ہیں اور ان کا اثر ان کی زبان پر بھی پڑے بغیر نہیں رہ سکتا لیکن مجھے

پہلے کچھ ترکی زبان کے متعلق عام باتیں عرض کرنی چاہئیں۔

اردو اور ترکی زبان میں جہاں اور رشتے آج کے جلسے کے اغراض کیلئے قائم کئے جاسکتے اور اس ثرا ثر خوانی کی توجیہ کی جاسکتی ہے کہ اردو کی حفاظت کے تذکرے میں ترکی کو کیوں گھسیٹ لیا گیا، وہیں ایک چیز اور ہے جو شاید اکثر حاضرین کیلئے نئی ہوگی اور وہ اردو اور ترکی زبانوں کی ساخت کی یکسانی ہے واقعہ یہ ہے کہ ترکی زبان کا ایک متعلم جو اردو بھی جانتا ہو جلدی ہی ایک اچنبھے میں پڑ جاتا اور حیرت زدہ ہوجاتا ہے کہ یہ دونوں زبانیں الفاظ کے فرق کو چھوڑ دیں تو توام بچوں کی طرح ہم شباہت کیوں ہیں چنانچہ اگر کوئی ترکی جملہ لے لیں اور لفظ کے نیچے لفظ رکھ کر اردو میں ترجمہ کرتے جائیں تو یہ ترجمہ گلابی اردو میں نہیں بلکہ آپ اُسے نہایت فصیح اور ٹھیٹ اُردو میں لکھا ہوا ایک جملہ پائینگے۔

دوسرا قابل ذکر امر ترکی زبان کی آسان صرف نحو اور اردو لغت کے ساتھ عظیم اشتراک ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ کوئی اردو داں پندرہ بیس دن میں کافی اچھی طرح ترکی اخبار پڑھنے لگ جاتا ہے۔ وجہ ظاہر ہے کہ ترکی زبان کی ساخت بالکل اردو کی سی ہے صرف نحو بہت آسان اور استثناؤں سے پاک ہے اور عربی فارسی الفاظ وہ ہیں جن سے اردو داں بھی واقف رہتا ہے۔ سُلطان عبدالحمید خاں مرحوم سے پہلے لکھی ہوئی ترکی تالیفوں میں سطروں کی سطریں پڑھنے کے بعد مشکل سے ایک دو خالص ترکی لفظ ملتے ہیں اور باقی سب عربی فارسی۔ اب سنہ ۱۹۴۰ء میں بھی کسی ترکی اخبار میں کوئی علمی مضمون ہو تو اس سے زیادہ عربی الفاظ آپ کو نظر آئینگے جتنے اردو میں ہمیں درکار ہوتے ہیں۔ کمالی دور میں کچھ تو شریف حسین کی مہلک غدّاری اور کچھ بعد اعلیٰ ترکی افسروں کی مذہب سے بے اعتنائی عربی الفاظ کے خلاف احکام صادر کراتی رہی۔ میں نے احکام صادر کرانے کا لفظ بہت سوچ کر یہاں برتا ہے کیونکہ ان کی تعمیل اتنی نہیں ہوئی جتنی ہم تاروں پر خبروں کو پڑھنے والے باور کرتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ سنہ ۱۹۱۴ء اور سنہ ۱۹۴۰ء کی تالیفوں کی زبان میں عربی الفاظ کی اتنی ہی کمی ہوئی ہے جو اس عرصے میں خود اُردو میں ہوئی دوسرے تغیرات بے شک ہوئے ہیں۔ رسم الخط بدل دیا گیا ہے۔ اسلوب میں لکھنوی شاعروں کی لفاظی اور عبارت آرائی کی جگہ جس طرح اب جامعہ عثمانیہ نے ایک خشک اور کاروباری زبان علمی اغراض کے لئے پیدا کردی ہے یہی چیز ترکی میں بھی ہوئی ہے

ایک اور امر جو شاید دلچسپی سے خالی نہ ہو وہ یہ ہے کہ ترکی زبان میں چاہے اچھی تصنیفوں اور تالیفوں کی کمی رہی ہو لیکن تراجم کے باعث وہ قدیم ہی سے دُنیا کی متمدّن زبانوں میں شمار ہوتی ہے۔ خود مذہبی ادبیات کو لیجیئے اور اس میں بھی صرف ایک مثال۔ امام محمدؒ کی کتاب "انٹرنیشنل لا" دائرۃ المعارف حیدرآباد نے ابھی چند سال ہوئے عربی میں شائع کی ہے اصل عربی کے چھپنے سے پوری ایک صدی پہلے اس کا ترکی ترجمہ چھپ چکا تھا اصل ترجمہ غالباً اس سے بھی پہلے ہوا ہوگا۔

ابن خلدون کی تاریخ کا مقدمہ ہی نہیں بلکہ ضخیم تاریخ کا بھی بڑا حصہ ہوا ترکی ترجمہ ہو چکا ہے زمانہ حال کی کتابوں میں مثلاً شرلاک ھومز کی ناولوں کا ابھی اردو میں اتنا کثیر ترجمہ نہیں ہوا ہے جتنا ترکی میں کیا یہ عجیب نہیں کہ اردو میں ترکی سے شاید ہی کوئی چیز ترجمہ ہوئی ہو (سجاد حیدر یلدرم کے ڈراموں کو چھوڑ کر) لیکن اُردو کی متعدد علمی کتابوں، الفاروق، سیرت النبی، شبلی، وغیرہ کا ترکی ترجمہ ہو چکا ہے۔

ترکوں کی بے دینی کا بھی ہندوستان کو خوب یقین دلایا جاتا رہا۔ چاہے چند اعلیٰ افسروں کی حد تک یہ صحیح ہو لیکن عوام پر اس کا اثر جتنا کم ہوا اس کا مظاہرہ انکی کتابوں سے ہو سکتا ہے مثلاً رسم الخط کی تبدیلی کے بعد جو کتاب بہت جلد بازاروں میں آئی وہ مولود شریف کی تھی اور مولود شریف کی کتابیں جدید ترکی میں اب بھی اتنی ہی مقبول ہیں جتنی کمالی دور سے قبل۔ حال میں کلکتہ سے ایک کتاب شائع ہوئی ہے جس کا پیش لفظ شہزادی در شہوار بیگم نے لکھا ہے۔ اس میں وہ کہتی ہیں کہ ترکی عورت اپنے حقوق کے لئے جدید جمہوری دور کی کچھ بھی ممنون نہیں ہے کیونکہ عہد سلاطین میں ترکی عورت کو وہ سب حقوق حاصل تھے جو اب ہیں۔

یونان کی شکست اور ترکی میں جمہوریت کے قیام کے ساتھ جہاں ملک میں بہت سی اصلاحیں شروع ہوئیں وہیں زبان بھی اس سے بچ نہ سکی چنانچہ سرکاری زبان جو پہلے صرف قانوناً ترکی تھی اور اکثر اعلیٰ افسر فرانسیسی میں مراسلت بازی کے خبط میں مبتلا تھے، وہ اب یکسر ختم کر دیا گیا۔ سرکاری کاروبار کے بعد ملک کی تجارتی زبان تھی۔ یہاں بھی حکم دیا گیا کہ ہر دوکان چاہے اسکا مالک کوئی ہی کیوں نہ ہو، اپنا حساب وکتاب صرف ترکی میں رکھے۔ بنکوں کو تک اسکا پابند کر دیا گیا اور تعمیل نہ کرنیوالوں کا کاروبار کو توالی کی مدد سے بند کر دیا گیا اور اسطرح ملک سے یونانی، اطالوی، فرانسیسی، جرمن اور دیگر زبانوں کے

مجلس طیلسانین
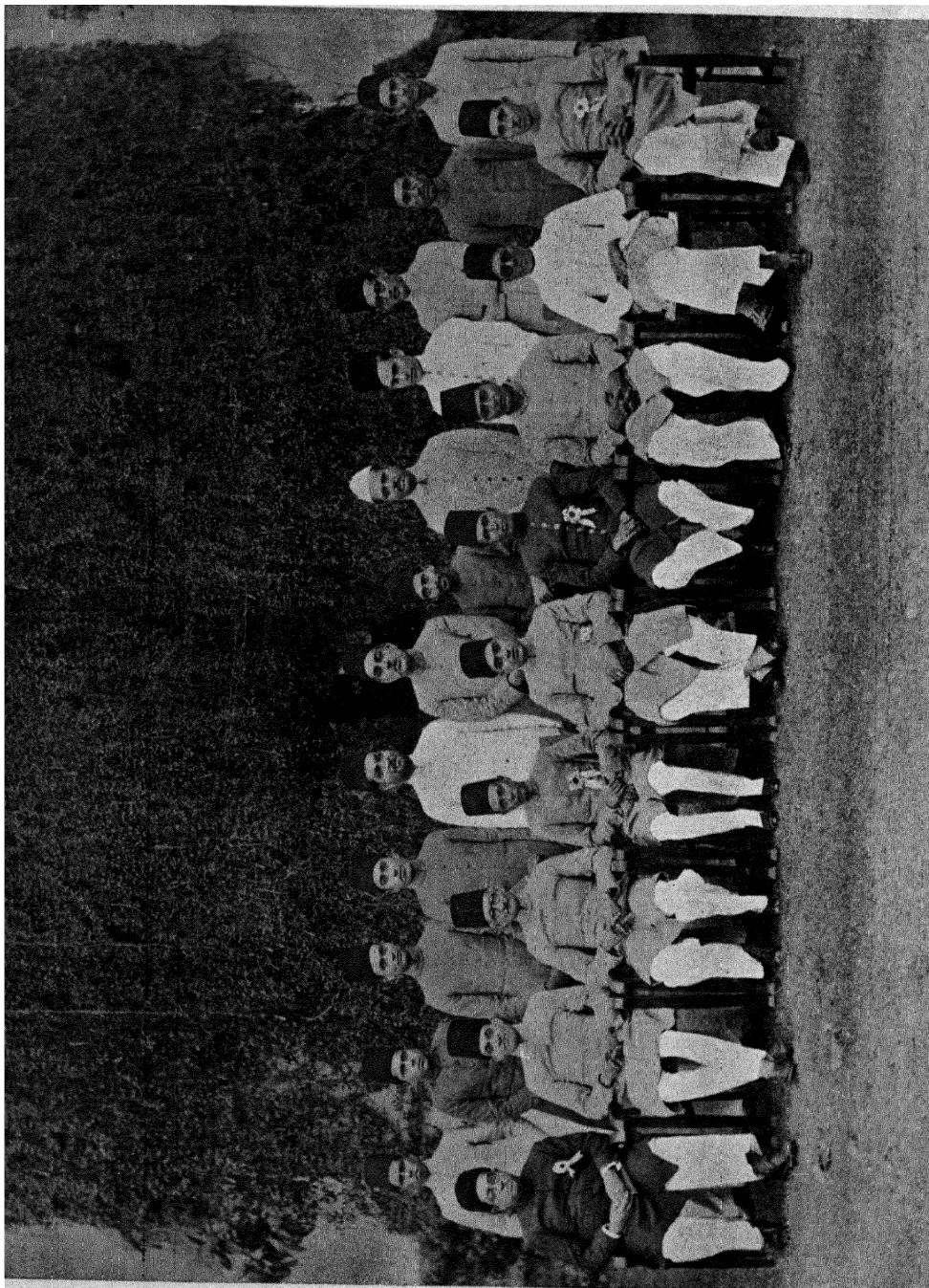
دخل کو خارج نہیں تو بے انتہا کم ضرور کر دیا گیا۔

جسطرح حیدرآباد میں آذر، دے، وغیرہ کا ایک خصوصی سنہ جاری ہے اسی طرح ترکی میں بھی ایلول تشرین وغیرہ نامی مہینے ہیں۔ ترکی حکومت نے بنکوں وغیرہ کو بھی پابند کر دیا کہ جنوری، فبروری کی جگہ صرف ترکی مہینوں کا لحاظ کاروبار میں رکھا جائے۔

کوئی زبان جبتک شاعروں کا کھلونا بنی رہتی ہے تو اسمیں چاہے کتنی ہی نزاکت اور بیجا لطافت کیوں نہ ہے وہ علمی اور کاروباری اغراض کے لئے ہرگز کام نہیں دے سکتی اور جب علم اور کاروبار کا عمل دخل زبان کے متعلق شروع ہوتا ہے، خاصکر غیر زبانوں سے ترجمے تو تخمی اور قلمی درختوں کا سا فرق زبان میں بھی شروع ہو جاتا ہے۔ تخمی درخت کی بلندی، پانی سے بے نیازی، عام امراض اشجار وغیرہ سے اسکا کامیابی سے مقابلہ سب جانتے ہیں، مگر قلمی درخت کے پھل کی بڑائی اور مٹھاس کا مقابلہ وہ کیسے کرے۔ یہ چیز عباسی دور کی عربی میں اور عثمانی دور کی اردو میں ہویدا ہے تو جدید ترکی میں بھی وہی صورت حال ہے۔ نئی اصطلاحیں گھڑنا، زبان کے قواعد میں تک چند نامانوس اور جدید اضافے کرنا، ترکی زبان کے لئے بھی ناگزیر تھا۔ جسطرح "پانی کی قوت سے کام کرنے والے آلات کے علم سے متعلق چیز" کو ہم نے "مائوائی" کر لیا، اس طرح کی بعض ثقیل گولیاں ترکوں نے بھی مجبوراً ہضم کی ہیں اور چند ہی دنوں میں کان اور دماغ مانوس ہو گئے تو اگلوں کی مشقت سے پچھلے فائدہ اٹھانے لگے۔ ترکوں نے تاحال بڑے علماء زیادہ پیدا نہیں کئے ہیں یہی وجہ ہے کہ ہر علم و فن کے پروفیسر فرانس، جرمنی، انگلستان وغیرہ سے آئے دن مستعار لئے جاتے رہتے ہیں اور نتیجہ ظاہر ہے کہ ذریعۂ تعلیم کا پوری طرح ترکی ہونا تاحال ممکن نہ ہو سکا ہے۔ پھر بھی جامعہ استانبول اور جامعہ انقرہ میں متعدد شعبے مختلف علوم و فنون کے قائم ہیں اور ترکی زبان کی علمیت میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے۔

فوجی قواعد تمام کے تمام ترکی میں ہیں اور بری، بحری، ہوائی ہر قسم کی ضرورتیں ترکی زبان ہی سے پوری کیجاتی ہیں۔

صحافت بھی کافی ترقی یافتہ ہے۔ ابھی چند دن پہلے کی اطلاع تھی کہ ترکی میں تقریباً پچاس روزنامے ترکی زبان میں نکلتے ہیں حالانکہ ترکی کی آبادی حیدرآباد سے کچھ بہت بڑھی ہوئی نہیں ہے۔

ترکی ریلوے کا محکمہ پورا کاروبار ترکی میں ہوتا ہے اور کوئی دقت محسوس نہیں ہوتی۔ مالگذاری اور کوتوالی کا کیا پوچھنا۔ جامعہ عثمانیہ اردو کے لئے قائم ہوئی لیکن کہتے ہیں کہ اسکی مجلس اعلےٰ میں آج تک اُردو کو باریابی نصیب ہی نہ ہوسکی اور شروع سے وہاں یک ساتے سمندر پار کی بولی میں کام چلایا جاتا ہے ایسی کوئی انوکھی چیز جدید ترکی میں ناممکن ہے۔

کمال آتاترک نے اپنے عہد کی بہت سی یادگاروں میں ایک ترکی زبان کی اکاڈیمی بھی چھوڑی ہے جو ترکی زبان کو علمی بنانے میں بڑا وسیع حصہ لے رہی ہے اور مختلف ترکی بولنے والے ممالک کے الفاظ کو جمع کرکے چھان بین کے بعد جدید ضروریات کیلئے اصطلاحوں اور دیگر الفاظ کو چنا جارہا ہے۔ آئے دن وضع اصطلاحات کیلئے انعامات کے اعلان ہوتے رہتے ہیں مثلاً چند مروجہ غیر ترکی الفاظ اور اصطلاحات کی فہرست اخباروں میں چھاپ دیجاتی ہے اور اہل ملک اور اہل علم کو خالص ترکی مترادفات پیش کرنے کی دعوت دیجاتی ہے اور جو شخص کوئی اچھا لفظ سجھائے اسے قومی تشکریہ کے علاوہ انعام بھی ملتا ہے اور چند روز بعد نئی فہرست چھپتی ہے اور عام شوق دیکھکر ایسا معلوم ہونے لگتا ہے کہ پوری قوم ایک ہی کام میں منہمک ہے۔

کچھ ایسا ہی مصر میں بھی ہے وہاں کا کوئی سرکاری ملازم یہاں تک کہ انگریز کمانڈر ان چیف بھی مصری ٹوپی پہنے بغیر دفتر میں نہیں آسکتا اور سرکاری مدارس میں کوئی طالب علم چاہے کسی قوم کا ہو انگریز فرانسیسی یا کوئی اور ہو وہ بھی مصری ٹوپی کے سوا کوئی اور چیز نہیں پہن سکتا۔ حیدرآباد میں بھی ملازمین سرکاری کو سوٹ بوٹ پہننے کی ممانعت کا فرمان خسروی کئی سال ہوئے جریدے میں چھپا تھا مگر قوم کی بدنصیبی سے وہ شکار بے توجہی و نسیان بنا ہوا ہے

من از بیگانگان ہرگز نتالم ؎ کہ با من ہرچہ کرد آن آشنا کرد فقط

ح۔م

حیدر آباد کے کتب خانوں میں تاریخ ہند کے فارسی مخطوطات

سلسلہ کیلئے ملاحظہ ہو مجلہ کا شمارہ دوم تا چہارم

مغلیہ دور

عام کتابیں

(۳۶) تاریخ رشیدی[۱]

۱۔ اس کتاب کے مولف کا نام مرزا محمد حیدر ہے[۲] اور والد کا نام مرزا محمد حسین گورگانی کاشغر کے امیر حیدر مرزا مولف کے دادا ہیں۔ محمد حسین مرزا نے بابر کی چھوٹی خالہ خوب نگار بیگم سے شادی کی تھی حیدر مرزا کو قدرت نے بابر کی طرح سیف و قلم دونوں پر اقتدار دیا تھا ہمایوں کے زمانہ میں لاہور کی حکمرانی کی ہے بعد از آن کشمیر پر اختیار پیدا کر کے وہاں اپنی حکومت چلائی[۲]

۲۔ یہ کتاب ۹۴۸ھ تک کے واقعات پر مشتمل ہے۔

۳۔ اس تالیف میں مولف نے وسط ایشیا کے مغلوں اور امیران کاشغر کی تاریخ سپرد قلم کی ہے نیز اپنی سوانح عمری ۹۰۵ھ سے ۹۴۸ھ تک بیان کی ہے۔ ہمایوں کے زمانہ میں جو ابتری پھیل گئی تھی اسکے سلسلہ میں مولف کو ایک ذاتی واقف حال کی حیثیت حاصل ہے۔

۴۔ اس کتاب کا ایک نسخہ کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہونا فہرست کتب سے واضح ہے۔[۳]

(۳۷) مجموعہ مرزا مہدی خانی[۴]

ف۱۔ فہرست ظفر حسن صاحب صفحہ ۲۳ نمبر ۱۸۶ ف۲۔ متن کتاب۔ ف۳۔ کتب خانہ آصفیہ تاریخ فارسی ۱۵۷ یہ نسخہ بوقت طلب اپنی جگہ پر نہ تھا۔ ف۴۔ فہرست ظفر حسن صاحب صفحہ ۲۱ نمبر ۱۷۴

۱۔ مولف کا نام ابوالمفاخر نظام الدین محمد ہادی الحسینی الصفوی اورشاہ میرزا مرزا مہدی خاں خطاب ہے
۲۔ ۱۱۴۲ھ سال تالیف ہے۔
۳۔ اس مختصر رسالہ کا موضوع خاندان تیموری کی تاریخ ہے۔
۴۔ کتب خانہ آصفیہ میں جو نسخہ حاصل کیا گیا ہے اسکی کتابت ۱۲۴۷ھ میں عمل میں آئی ہے۔ خط شکستہ اور کسی رائے بال چند کی فرمائش پر یہ نسخہ لکھا گیا۔[۵۱]

(۳۸) راحت افزا[۵۲]

۱۔ اس کتاب کے مولف کے مختصر حالات مرات الصفا کے سلسلہ میں واضح کئے جا چکے ہیں۔[۵۳]
۲۔ میر نجف علیخاں شمشیر جنگ کے نام سے یہ کتاب منسوب ہے۔
۳۔ کتاب کا موضوع خاندان تیموری کی تاریخ ہے، کتاب کے مضامین دو ابواب میں پھیلائے ہیں پہلے باب میں خاندان تیموری کے ان حکمرانوں کا حال قلم بند کیا گیا ہے جنہوں نے ایران اور توران میں حکومت کی ہے۔ دوسرے باب میں تیموری ہندوستانی فرماں رواوں کے زمانہ کے واقعات بیان کئے ہیں۔ اندازہ یہ ہوا کہ ۱۱۷۲ھ تک اپنے بیان کے سلسلہ کو قائم رکھا ہے۔ اگرچہ اس کتاب کو سارے ہندوستان سے تعلق ہے مگر دکن کے متعلق اور بالخصوص خاندان آصف جاہی کے متعلقہ امور بہت تفصیل سے واضح کئے ہیں، اگر کتاب کے اس حصہ کو تاریخ دکن کہا جائے تو بجا ہو گا۔ میر نجف علیخاں نے نواب ناصر جنگ کے ساتھ مختلف معرکوں میں جو حصہ لیا اسکی بہت صراحت کی ہے۔
۴۔ کتب خانۂ آصفیہ کا نسخہ خوش خط اور ۱۲۹۷ھ میں منقول ہوا ہے۔[۵۴] ناقل کا نام سید باقر ہے

۵۱۔ کتب خانہ آصفیہ فارسی تاریخ ۴۲۵، ۱۴۱ پر بھی ایک نسخہ موجود ہے۔
۵۲۔ فہرست ظفر حسن صاحب میں اس کتاب کا حوالہ موجود نہیں ہے۔
۵۳۔ مرات الصفا نمبر ۱۵۔ مقالہ ہذا
۵۴۔ کتب خانۂ آصفیہ تاریخ فارسی ۱۰۰۱

(۳۹) تاریخ مظفری[۵۱]

۱۔ مولف کا نام محمد علی خاں انصاری ہے جو اپنے زمانہ میں داروغگی عدالت فوجداری ترہٹ و حاجی پور پر مامور تھے۔

۲۔ ۱۲۰۲ھ میں تالیف عمل میں آئی۔

۳۔ اس تاریخ کا موضوع خاندان تیموری کی حکمرانی کے حالات کا بیان ہے، مولف نے اپنے بیان کا سلسلہ تیمور سے شروع کیا ہے اور اکبر شاہ ثانی کے زمانہ پر...... ختم کیا ہے۔ محمد شاہ کا احوال بہت تفصیل سے واضح کیا ہے۔ سرہنری ایلیٹ نے لکھا ہے کہ ہندوستان کی عام تاریخ پر جو صحیح تر کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں یہ کتاب بھی شامل ہے[۵۲]۔

۴۔ کتب خانۂ آصفیہ میں دو نسخے مخزون ہیں[۵۳]۔ ایک نسخہ مکمل مصححہ صاف خط میں بقلم خفی لکھا گیا ہے دوسرا نسخہ شکستہ خط میں خوش خط لکھا گیا ہے مصححہ بھی ہے[۵۴]۔

(۴۰) معدن السعادت[۵۵]

۱۔ نام مولف: سلطان عیسیٰ حسینی صفوی۔

۲۔ ۱۲۱۸ھ سال تالیف۔

۳۔ ہندوستان کے تیموری حکمرانوں کا حال، تیمور سے محمد شاہ کی وفات تک۔ اس سلسلہ میں اودھ کے حالات کی خاص تفصیل۔

۴۔ کتب خانۂ جامعۂ عثمانیہ میں تاریخ کے فن میں ایک مخطوطہ اس نام کا فہرست میں مرقوم ہے[۵۵]۔

۵۱۔ فہرست ظفر حسن صاحب صفحہ ۲۳ ۱۸۵

۵۲۔ ایلیٹ، جلد ۸، صفحہ ۳۱۶۔

۵۳۔ کتب خانۂ آصفیہ تاریخ فارسی ۴۵۰ و ۲۲۷۔ ۵۴۔ فہرست ظفر حسن صاحب صفحہ ۲۱ نمبر ۱۷۲

۵۵۔ کتب خانۂ جامعہ عثمانیہ نمبر ۶۱۵، ۵۲/۲۰۰۔ بوقت طلب یہ نسخہ اپنی جگہ پر نہ مل سکا۔

(۴۱) طبقات شاہ جہانی[۱]

۱۔ تذکرہ کی اس کتاب کے مولف ملا محمد صادق ہیں۔

۲۔ ۱۰۴۶ھ میں کتاب کی تالیف عمل میں آئی۔

۳۔ اس کتاب میں تیموری دور کے اولیاء و مشائخ، علماء حکما، فضلا، اور شعراء کے حالات ضبط تحریر میں لائے ہیں، جملہ ۸۱۴ افراد کے حالات فراہم کئے ہیں، تیمور کے زمانہ سے آغاز کیا ہے اور شاہ جہانی زمانہ پر اختتام۔ کتاب دس طبقات پر منقسم ہے اور ہر طبقہ تین ابواب پر مشتمل ہے بہ تفصیل ذیل۔

باب اوّل۔ اولیاء و مشایخ و سادات

باب دوم۔ علماء و حکما و فضلا۔

باب سوم۔ شعرا۔

۴۔ کتب خانۂ آصفیہ کا نسخہ بہت صاف خط میں نقل ہوا ہے اور مصحح ہے لیکن آخر میں قدرے ناقص ہے۔ اس باب میں مولف نے ۱۹ شعرا کا حال لکھا ہے، لیکن اس نسخہ میں صرف ۵ شعراء کے حالات موجود ہیں۔ ابتدا میں فہرست شامل ہے[۲]۔

تذکرہ کی بعض اور کتابیں جنکا خان بہادر ظفر حسن صاحب نے کوئی حوالہ نہیں دیا ہے یہ ہیں۔

(۴۲) تحفۃ الشعرا، مرزا افضل بیگ قاقشال کی تالیف اور بارہویں صدی ہجری کے ہندستانی فارسی گو شعراء کے حالات[۳]۔

(۴۳) تذکرۂ بے نظیر، سید عبد الوہاب افتخار کی تالیف اور بارہویں صدی ہجری کے ہندستانی فارسی گو شعراء کے حالات[۴]۔

---

[۱] فہرست ظفر حسن صاحب صفحہ ۲۲ نمبر ۱۸۱۔ [۲] کتب خانۂ آصفیہ تاریخ فارسی ۷۲۱۔

[۳] کتب خانۂ آصفیہ تذکرہ فارسی ۱۲۲

[۴] " " " " ۱۴۳

(۴۴) کلمات الشعراء محمد افضل سرخوش کی تالیف، جہانگیر، شاہ جہاں اور عالمگیر کے شعراء کے حالات[1]۔

(۴۵) بہارستان سخن، میر عبدالرزاق صمصام الدولہ شاہ نواز خاں کی تالیف فارسی گو شعراء کا تذکرہ[2]۔

(۴۶) گل رعنا، منشی لکشمی نارائن شفیق کا مرتب کردہ تذکرہ فارسی گو شعراء کے حالات میں[3]

خان بہادر ظفر حسن صاحب نے "بابر" کے دور کے متعلق دو کتابوں کا حوالہ لکھا ہے لیکن تاحال ان کا کوئی نسخہ فراہم نہ ہو سکا۔

ہمایوں

(۴۷) تذکرۃ الواقعات۔

۱۔ دیباچہ میں مولف نے اپنا نام اکبر جوہر لکھا ہے[4] معلوم ہوا کہ مولف کو ہمایوں کے ہاں آفتابچی کی خدمت حاصل تھی۔

۲۔ اس کتاب کا موضوع ہمایوں کا تفصیلی احوال ہے۔

۳۔ کتب خانۂ آصفیہ کا نسخہ صاف خط میں لکھا گیا ہے، صحیح اور بظاہر مکمل ہے البتہ قدرے آب رسیدگی کا اثر ہوا ہے۔ سنہ ۴ جلوس بہادر سال کتابت ہے[5]۔

اکبر

(۴۸) انشاء ابوالفضل[6]۔

---

[1] کتب خانۂ آصفیہ تذکرہ فارسی ۵۱، ۵۲، ۹۷ [2] کتب خانۂ آصفیہ تذکرہ فارسی ۱۲۱ و ۱۹۳

[3] " " " ۱۸۳ [4] نام کی مزید تحقیق کرنی ہے۔

[5] کتب خانۂ آصفیہ تاریخ فارسی ۱۵۱۷

[6] فہرست ظفر حسن صاحب صفحہ ۲۵، نمبر ۲۰۶۔

۱۔ ابوالفضل کے مجموعۂ منشآت کا ایک مجموعہ چھپ چکا اور عام طور سے دستیاب ہوتا ہے۔
پیش نظر کتاب ایک دوسرا کافی ضخیم مجموعہ ہے۔

۲۔ جن اصحاب کے نام یہ خطوط لکھے گئے ہیں ان میں سے چند یہ ہیں۔

۱۔ عبداللہ خاں ازبک من جانب اکبر بادشاہ
۲۔ شاہزادہ دانیال
۳۔ شاہزادہ مراد۔
۴۔ پدر خود
۵۔ مادر خود
۶۔ حکیم فتح اللہ شیرازی۔
۷۔ مولانا عرفی
۸۔ خواجہ حسن ثنائی
۹۔ شیخ نجم الدین مفتی بدایون۔

۳۔ کتب خانۂ آصفیہ کا نسخہ خوش خط اور مصحح ہے۔[1]

۴۔ اس مجموعہ کے مولف کے متعلق کوئی امر تحقیق نہ پا سکا۔

(۹۴) تکملہ اکبر نامہ[2]

۱۔ مولف کا نام عنایت اللہ ہے۔

۲۔ دیباچہ میں مولف نے صراحت کی ہے کہ ابوالفضل کے انتقال کی وجہ سے اکبر کے آخری تین سال کے حالات اکبر نامہ میں قلمبند نہ ہو سکے اور معتمد خان نے اقبال نامہ میں اس زمانہ کے حالات بر سبیل اجمال لکھے ہیں اس لئے اکبر نامہ کا یہ تکملہ مرتب کیا گیا۔

---

[1] کتب خانۂ آصفیہ، انشا فارسی ۱۴۷۔ [2] فہرست ظفر حسن صاحب صفحہ ۲۵، نمبر ۲۰۸۔

۳۔ اس تکملہ کا ایک نسخہ مولوی سید ابراہیم یداللہی کے پاس دیکھا گیا تھا۔ ایک آخری ورق اس نسخہ میں موجود نہیں تھا، یوں کتابت صاف اور نسخہ اچھا تھا۔

جہانگیر

خاں بہادر ظفر حسن صاحب نے عہد جہانگیر کے موضوع پر جن کتابوں کا حوالہ دیا ہے ان کے من جملہ فی الوقت کسی کتاب کا اس مضمون میں حوالہ نہیں دیا جا سکتا البتہ

(۵۰) کتب خانۂ آصفیہ میں حالات سالہ جہانگیر کے نام سے[۱] ایک مخطوطہ نظر سے گذرا۔ افسوس ہے کہ اس نسخہ سے ابتدائی چند اوراق درمیان سے موجود نہیں ہیں اس لئے یہ امر متحقق نہ ہو سکا کہ کتاب کا کیا نام اور مولف کون ہے۔

۱۔ کتاب کی ابتدا یوں ہوئی ہے کہ "ذکر سلطنت جنت مکانی ابوالمظفر نورالدین جہانگیر بادشاہ" کچھ آگے چلکر لکھا ہے کہ "بر ضمیر منیر دانشوران نکتہ سنج خوردہ گیر ظاہر باد کہ چوں معتمد خاں و مرزا کام گار خاں مخاطب" اسکے بعد کئی ورق موجود نہیں ہیں، جو صفحہ موجود ہے وہ سال ششم از جلوس سے شروع ہوتا ہے۔

۲۔ نور جہاں کا تذکرہ شروع کرتے ہوئے رقم طراز ہے کہ

"چوں مولف جہانگیر نامہ را کوتاہی قلم کار فرمودن ضرور بود ترانۂ ایں نغمہ در پردۂ مختلف بقانون دیگر نواختہ اما بر مسودہ اوراق انچہ بہ تحقیق قریب بصدق ظاہر گشتہ و در تاریخ منہج الصادقین کہ مولف او محمد صادق تبریزی مراد بخشی بود و بدستور ہمسیہ تالیف نمودہ در مطالعہ در آمدہ باحاطۂ تحریری آرد۔"

۳۔ یہ امر ظاہر ہوا کہ تالیف کا زمانہ عالمگیری دور ہے۔

۴۔ باقی نسخہ مکمل موجود پایا گیا۔

شاہ جہان

(۵۱) چہار چمن برہمن[۲]

---

[۱] کتب خانۂ آصفیہ تاریخ فارسی ۲۲۴۹ [۲] فہرست ظفر حسن صاحب صفحہ ۲۶ نمبر ۲۱۴

۱۔ مولف کا نام چندر بہان برہمن ہے ان کو انشا پر اچھی قدرت حاصل ہوئی تھی[ھ۱]،
۲۔ اس کتاب میں جہانگیری، وکلا، امرا اور شاہ جہانی وزرا کے مراتب و احوال کے علاوہ شاہی جشنوں بعض فتوحات، صوبجات ہندوستان اور مولف کے رقعات شامل ہیں۔
۳۔ کتب خانۂ آصفیہ کا نسخہ خوش خط صحیح اور شنکر داس کا ۱۱۴۳ھ میں بمقام اورنگ آباد لکھا ہوا محفوظ ہے[ھ۲]۔

(۵۲) دستور العمل شاہ جہانی[ھ۳]

۱۔ اس نام سے کسی شخص نے چہار چمن برہمن کے ایک حصہ کو علیحدہ رسالہ میں متداول کیا ہے، غالباً خان بہادر ظفر حسن صاحب نے اسی رسالہ کا حوالہ دیا ہے۔
۲۔ راقم الحروف کے پاس اس کا ایک حالیہ نقل شدہ نسخہ موجود ہے۔

(۵۳) دیوان کلیم[ھ۴]

۱۔ کتب خانۂ آصفیہ میں دیوان کلیم کے جو نسخے مخزون ہیں[ھ۵] وہ ہمارے مقصد کے لئے کچھ زیادہ کار آمد نہیں ہیں البتہ کلیات کلیم ہمدانی کے نام سے جو نسخہ حاصل کیا گیا ہے وہ باغراض تاریخی مفید ہوسکتا ہے[ھ۶]۔
۲۔ " عارج طور معانی و مقتبس نور سخن دانی" ابوطالب کلیم ہمدانی المولد کاشانی الموطن، نے شاہ جہان کے دربار میں سخن وری کی داد دے کر اپنا بول بالا کیا تھا اور ملک الشعرائی کا امتیاز حاصل کیا ۱۰۶۲ھ میں اجل نے ابدی خاموشی پر مجبور کردیا[ھ۷]۔

ھ۱۔ تفصیلی حالات کیٹلاگ برٹش میوزیم سے واضح ہوسکینگے۔ ھ۲۔ کتب خانۂ آصفیہ تاریخ فارسی ۱۳۹۰
ھ۳۔ صفحہ ۲۶ نمبر ۲۱۵ فہرست ظفر حسن صاحب۔ ھ۴۔ فہرست ظفر حسن صاحب صفحہ ۲۶ نمبر ۲۱۶
ھ۵۔ کتب خانۂ آصفیہ دواوین فارسی ۴۳۱ و ۴۳۲۔
ھ۶۔ کتب خانۂ آصفیہ دواوین فارسی ۱۲۲۵
ھ۷۔ سرو آزاد صفحات ۷۷ تا ۸۱

۳۔ ہر چند کلیات کلیم باقی دوسرے اور شاعرانہ نغمہ سرائیوں کی طرح محض سخن پردازی کی ہی رویداد ہے بریں ہمہ قصائد و قطعات اور مثنویوں سے تاریخ کا بھی کچھ نہ کچھ مسالہ ضرور فراہم ہو جاتا ہے مختلف تمدنی امور پر ضرور روشنی پڑتی ہے۔

۴۔ کتب خانۂ آصفیہ میں کلیات کا جو نسخہ مخزون ہے اسکو قلمی کتابوں میں امتیازی شان حاصل ہونی چاہیئے۔ خط بہت پاکیزہ، کاغذ خوب، تقطیع موزوں، روشنائی مجلا، کاتب کا نام یوسف اور سال کتابت ۱۲۰۰ھ، ابتدائی دو صفحے مطلا اور نقش و نگار سے مزین ہیں۔

۵۔ "جشن وزن" کے قصاید قطعات اور دیگر کارآمد نظموں کا سلسلہ ۲۲۷ صفحات پر پھیلا ہوا ہے ایک نقص اس نسخہ میں یہ ہے کہ قصاید وغیرہ کے عنوان نہیں لکھے جگہ خالی چھوڑ دی ہے۔

(۵۴) کلیات قدسی[۵۱]۔

۱۔ ظفر حسن صاحب نے ظفر نامۂ شاہجہانی تالیف محمد جان قدسی کا حوالہ دیا لیکن چونکہ یہ مثنوی کلیات میں شامل ہے اور مثل کلیات کلیم قدسی کا کلیات بھی تاریخی اعتبار سے کارآمد ہے اسلئے اس مضمون میں کلیات کا ہی حوالہ مناسب متصور ہوا۔

۲۔ "جان سخن پروری و روح معنی گستری" قدسی کا شمار عہد شاہجہانی کے ان شعرا میں ہے جنھوں نے اپنی نزاکت خیال سے نہ صرف عام ہر دل عزیزی حاصل کی بلکہ تقرب شاہی بھی پیدا کیا[۵۲]۔

۳۔ اس موقع پر ایک بات کا اظہار بے محل نہیں اُس زمانہ میں بخلاف عصر حاضر کے جب کہ نو وارد و تنگ ضابطہ کی بڑی وارو گیر ہے، ہر صاحب فضل نو وارد کے لئے اپنی قابلیت کے بل بوتے پر اپنے وطن سے باہر بلند ترین کنگرۂ عزت پر پہنچ جانے کے سارے مواقع حاصل تھے، قدسی بھی انہیں افراد میں سے ہے جو وطن سے بے وطن ہو کر نام و نمود اور عزت و آبرو حاصل کرتے ہیں۔ ایک قدسی پر کیا موقوف ہے بیسیوں ارباب کمال نے قدر دانی اور ہنر پروری کی توقع میں ہندوستان اور دکن کا رخ کیا اور جو عزت و مرتبت حاصل کرنا ممکن تھا وہ حاصل کی۔

۵۱۔ فہرست ظفر حسن صاحب ص ۲۰ ج ۲ ۲۳۳۔ ۵۲۔ سرو آزاد ص ۶۱ تا ص ۶۳۔

۴۔ ظفر نامہ کو چھوڑ کر قدسی کا باقی کلیات دوسرے ہم عصروں اور دیگر سخن پروازوں کے مجموعہ ہائے کلام کی طرح شاعرانہ مضمون آفرینی کی ایک طول طویل داستان ہے۔ تاریخی واقعات اور اخلاقی نکات بھی اس انداز سے بیان کئے ہیں کہ اصلی مطلب پر تشبیہات اور استعارات کا رنگ غالب آجاتا ہے۔ ظفر نامہ میں بھی تاریخ سے زیادہ شعریت غالب ہے۔

۵۔ قدسی نے مثل کلیم کے ایسے بہت سارے ابواب پر قلم اٹھایا ہے جس سے اس وقت کے مختلف تمدنی پہلو روشن ہوتے ہیں، مثلاً کشمیر کے باغات پر اس نے جو نظمیں لکھی ہیں وہ صرف شاعرانہ نزاکت خیال کی تصویریں نہیں ہیں بلکہ مغلیہ حسن کاری اور نزاکت کو الفاظ کے جامہ میں پیش کیا ہے، اسی طرح عمارات اور دیگر ابواب تمدن و معاشرت کے متعلق شعریت کو علیحدہ کر دینے کے بعد بہت سارے معلومات حاصل ہوتے ہیں۔

۶۔ کتب خانہ آصفیہ میں کلیات قدسی کے دو نسخے دیکھنے میں آئے۔ ایک نسخہ ۱۰۶۵ھ کا محررہ ہے اسکی تصحیح بھی ہوئی ہے۔ ایک دوسرے نسخہ ظفر نامہ سے شروع ہوا ہے لیکن ابتدا میں ناقص ہے[۵۱]۔

(۵۱) ملخص شاہ جہان نامہ۔

۱۔ مولف کا نام محمد طاہر، عنایت خاں خطاب اور آشنا تخلص ہے۔ شاہ جہانی عہد میں آشنا کے سپرد شاہی کتب خانہ کا انتظام تھا[۵۲]۔

۲۔ مقدمۂ کتاب میں مولف نے واضح کیا ہے کہ شاہی کتب خانہ پر ماموری عمل میں آئی تو وہاں عبدالحمید لاہوری کی تالیف بادشاہ نامہ نظر سے گذری، اس کا اسلوب دقیق اور زبان مشکل تھی، اسلئے یہ خلاصہ مرتب کیا گیا۔

۳۔ اس کتاب کا موضوع شاہ جہاں کا کامل عہد حکومت ہے۔ سرہنری ایلیٹ نے صراحت کی ہے کہ آخری دس سال کی تاریخ عبدالحمید کی کتاب سے ماخوذ نہیں ہے بلکہ کسی اور سے[۵۳] ہو سکتا ہے کہ خود آشنا نے وہ حصہ اپنی طرف سے لکھدیا ہے۔

۴۔ اس کتاب کا ایک کامل نسخہ، مملوکہ غلام محمد شرف الدولہ مرحوم کتب خانہ سعیدیہ میں امانت ہے۔

---

[۵۱] کتب خانۂ آصفیہ پہلا نسخہ ۵۸۶ دواوین فارسی دوسرا نسخہ ۳۱۶ دواوین فارسی۔

[۵۲] سرو آزاد صفحہ ۹۶ تا ۹۸۔ ایلیٹ جلد ۷ صفحہ ۷۳۔ [۵۳] ایلیٹ جلد ۷ صفحہ ۷۴۔

(۵۶) لطائف الاخبار[۱]

۱۔ اس کتاب کے مولف کے نام کا پتہ نہ چل سکا۔[۲]

۲۔ اس کتاب کا موضوع اس حملہ کی تاریخ ہے جو دارا شکوہ نے بہ زمانہ شاہ جہاں قندھار پر کیا تھا۔

۳۔ مقدمہ کتاب میں مولف نے صراحت کی ہے کہ واقعات یا تو خود اس نے دیکھے ہیں یا قابل اعتماد افراد سے سنے ہیں۔

۴۔ کتب خانۂ آصفیہ کا نسخہ معمولی خط میں لکھا ہوا ہے لیکن مکمل ہے۔[۳]

(۵۷) بادشاہ نامہ[۴]

۱۔ مولف کا نام مرزا جلال الدین طباطبائی ہے شاہ جہاں کے زمانہ میں وہ ہندوستان چلے آئے اور سرکاری وقایع نگاری کی خدمت پر مامور ہوئے۔ جلالا طباطبائی کا شمار عہد شاہ جہانی کے ممتاز انشا پردازوں میں ہے ایک اسلوب خاص ان کی تحریروں سے نمایاں ہے۔

۲۔ اس کتاب کا موضوع عہد شاہ جہانی کے واقعات ۵ جلوس سے ۸ جلوس تک ہیں۔ ڈاکٹر ریو نے بحوالہ عمل صالح لکھا ہے کہ معاصرین کی رقابت کی وجہ سے کتاب کے مکمل کرنے کی نوبت نہیں آئی۔[۵]

۳۔ کتب خانۂ آصفیہ میں اس کتاب کا ایک مکمل نسخہ موجود ہے۔[۶] ۱۱۸۷ھ میں اس نسخہ کی کتابت عمل میں آئی ہے اور مصحح ہے۔ خط شکستہ ہے لیکن پختہ۔

---

[۱] فہرست ظفر حسن صاحب صفحہ ۲۶ نمبر ۲۱۷

[۲] کیٹلاگ برٹش میوزیم صفحہ ۲۶۴ جلد اول۔

[۳] کتب خانۂ آصفیہ تاریخ فارسی ۵۸۲

[۴] فہرست ظفر حسن صاحب صفحہ ۲۷ نمبر ۲۲۲

[۵] کیٹلاگ برٹش میوزیم۔

[۶] کتب خانۂ آصفیہ تاریخ فارسی ۳۵۹۔

(۵۸) بادشاہ نامہ

۱۔ خان بہادر ظفر حسن صاحب نے اپنی فہرست میں محمد وارث کی تالیف بادشاہ نامہ کا حوالہ دیا ہے[۱]۔ کتب خانۂ آصفیہ کی فہرست میں بھی ایک نسخہ کے ساتھ محمد وارث کا نام لکھدیا ہے[۲] لیکن دراصل یہ کتاب اور ایک دوسری کتاب دونوں ایک ہیں جسکا حوالہ خان بہادر موصوف نے نہیں دیا ہے۔

۲۔ مولف کا نام فاضل خاں ہے اور علاء الملک ان کا خطاب ہے[۳]۔

۳۔ کتب خانۂ آصفیہ میں دو نسخے مخزون ہیں ایک مکمل اور صاف خط میں لکھا ہوا ہے۔ دوسرا نسخہ ابتدا میں ناقص ہے[۴]۔

(۵۹) منشات برہمن

۱۔ اس کتاب کے مولف بھی منشی چندر بھان ہیں جو چہار چمن کے مولف بھی ہیں۔ یہ صاحب دوسری اور کتابوں کے بھی مولف ہیں[۵]۔

۲۔ مولف نے دیباچۂ کتاب میں بیان کیا ہے کہ شاہ جہانی دور کے وزراء اعظم آصف خاں، افضل خاں سعد اللہ خاں اور جعفر خاں کے پاس ان کو خدمت بجالانے کا موقع ملا تھا۔ شاہی دفتر میں فرامین کی سودہ نگاری کا کام ان کے تفویض تھا، اس لحاظ سے انشاء پر اچھا عبور تھا۔

۳۔ اس کتاب میں مولف نے اپنے مختلف عرائض اور خطوط جمع کئے ہیں۔ اسوقت کی سوسائٹی میں ان کو جو مرتبت حاصل تھی اسکے لحاظ سے ان کو خود بادشاہ کی خدمت میں عرائض لکھنے کا موقع ملتا تھا۔ وزرا اور امراء نیز دیگر ارباب اقتدار کو خطوط لکھنے پڑتے تھے، ان سب کو انہوں نے اس مجموعہ میں جمع کیا ہے۔

۵[۱]۔ فہرست ظفر حسن صاحب صفحہ ۲۷ نمبر ۲۲۔ ۵[۲]۔ کتب خانۂ آصفیہ تاریخ فارسی ۱۴۵۹

۵[۳]۔ مآثر الامرا جلد سوم صفحہ ۵۲۲۔

۵[۴] کتب خانۂ آصفیہ تاریخ فارسی ۱۴۵۹، و ۲۳۵۔

۵[۵]۔ گلدستۂ چہار چمن، تحفۃ الانوار، کارنامہ، تحفۃ الفضلا، مجمع الفقرا وغیرہ برہمن کی تالیفات ہیں۔

۴۔ کتب خانہ آصفیہ میں بخط خوب ایک نسخہ موجود ہے[۱]۔

عالمگیر

(۶۰) ظفر نامہ عالمگیری[۲]

۱۔ اس کتاب کا نام ظفر حسن صاحب نے واقعات عالمگیری اور حالات عالمگیری بھی لکھا ہے اور مولف کا نام عاقل خاں رازی۔

۲۔ کتب خانہ آصفیہ میں عاقل خاں رازی کی تالیف سے ایک نسخہ درج فہرست ہے[۳] لیکن متن کتاب سے مولف کا نام ظاہر نہ ہوسکا' ترقیمہ میں لکھا ہے کہ "تصنیف نواب میر خاں حوالہ دار کابل" کتب خانہ آصفیہ میں اس کتاب کا ایک اور نسخہ فراہم ہوا ہے[۴]۔ فہرست میں اس کا نام "واقعات عالمگیری" لکھا ہے' کتاب کے پہلے صفحہ پر بھی "واقعات عالمگیری" درج ہے۔ ترقیمہ میں لکھا ہے کہ "تمام شد نسخہ واقعات عالمگیری تالیف عاقل خاں رازی" لیکن اس نسخہ کے متن سے بھی کتاب اور مولف کا نام ظاہر نہ ہوسکا۔ ڈاکٹر ریو نے بھی صراحت کی ہے کہ اس کتاب کے مولف کا نام معلوم نہ ہوسکا[۵]۔ کتب خانہ آصفیہ میں ان دو نسخوں کے علاوہ ایک اور نسخہ بھی مہیا ہوا ہے[۶]۔

۳۔ اس کتاب کا آغاز مندرجہ ذیل عبارت سے ہوا ہے۔

"آن قطب فلک سلطنت وجہانداری مرکز دائرہ عظمت بختیاری"

۴۔ اس کتاب کا موضوع عالمگیر کی اس کوشش وسعی کا بیان ہے جو حصول سلطنت کے لئے عمل میں لائی گئی۔ ابتدا میں عالمگیر کے پیدا ہونے کا تذکرہ کیا گیا ہے اور آخر میں شاہ جہاں کے انتقال کا۔

---

[۱] ۔ کتب خانۂ آصفیہ' انشا فارسی ۶۰ – [۲] فہرست ظفر حسن صاحب صفحہ ۳۱

[۳] ۔ کتب خانۂ آصفیہ تاریخ فارسی ۷۶۰۔

[۴] ۔ " " " ۶۰۰

[۵] ۔ کیٹلاگ برٹش میوزیم جلد اول ص ۲۶۵

[۶] ۔ یہ نسخہ اداب عالمگیری میں شامل ہے' انشا فارسی ۸۶۔

۵۔ کتب خانۂ آصفیہ کے دونوں نسخے مکمل ہیں۔ ایک نسخہ کی کتابت سنہ ۱۱۹۳ھ میں عمل میں آئی ہے۔ دوسرا نسخہ شکستہ خط میں پختہ قلم سے تحریر ہوا ہے۔ اس نسخہ کی تصحیح بھی ہوئی ہے۔

(۶۱) ظفر نامۂ عالمگیری۔

کتب خانہ جامعہ عثمانیہ میں اس نام سے ایک کتاب مخزون ہے[۱]، اسکی ابتدائی عبارت یوں ہے

"......... اگرچہ بعد انقضائے دہ سال از جلوس ہمایوں مال حضرت
عالمگیر بادشاہ غازی خلدمکان بر احوال حکم رانی عشر ثانی.........
بضبط ماہ و سال اطلاع نیافتہ بقید تاریخ سوانح ہر سال بگذارش آمدہ اما از بعضے
وقایع حضور و صوبہ جات آنچہ برائے العین مشاہدہ کردہ.........

اس کتاب کے متعلق مزید تحقیق عمل میں نہ آسکی۔

(۶۲) اورنگ نامہ

(۱) اس نام سے ایک کتاب کتب خانہ جامعۂ عثمانیہ میں موجود ہے[۲]۔ اس نام سے خان بہادر ظفر حسن صاحب کی فہرست میں کسی کتاب کا حوالہ درج نہیں ہے۔

۲۔ یہ کتاب نظم میں ہے۔

۳۔ موَلف کے نام کا پتہ نہیں چل سکا۔

۴۔ سنہ ۱۰۷۰ھ سال تالیف ہے۔

۵۔ اس کتاب کا موضوع عالمگیر کی حصول حکومت کی کش مکش کا احوال ہے۔

۶۔ پہلا شعر یوں ہے۔

بنام خدائی کہ از صنع پاک۔
بکرد آفریدہ خلایق ز خاک۔

---

[۱] کتب خانۂ جامعۂ عثمانیہ۔ کتب قلمی ۷۵ ۵۳/۵۷ [۲] کتب خانۂ جامعۂ عثمانیہ۔ کتب قلمی ۴۹ ۵۳/۵۲

۷۔ کتاب کا یہ نسخہ اچھی حالت میں ہے۔

(۶۳) اداب عالمگیری[۱]

۱۔ اس ضخیم مجموعہ کے مولف کا نام خود مقدمۂ کتاب سے صادق ہونا واضح ہوا جو انبالہ مضاف سرہند کے رہنے والے تھے۔

۲۔ اس مجموعہ کی ترتیب ۱۱۱۵ھ میں عمل میں آئی جب[۲] کہ عالمگیر نے ابھی انتقال نہیں کیا تھا۔

۳۔ اس مجموعہ میں عالمگیر کے ان مکاتیب کو جمع کیا گیا ہے جو زمانۂ شاہزادگی میں تحریر ہوئے[۳]

۴۔ مقدمۂ کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ ان مکاتیب کے مسودہ نگار قابل خان تھے۔

۵۔ کتب خانۂ آصفیہ میں اس تالیف کے دو نسخے مہیا ہو چکے ہیں[۴] ایک نسخہ کی کتابت تو تالیف کے دوسرے ہی سال عمل میں آئی ہے۔ خلیفہ غلام احمد نامی ایک شخص نے ۱۱۱۶ھ میں یہ نقل تیار کی۔ دوسرا نسخہ ۱۱۸۴ھ کا مکتوبہ ہے۔ یہ نسخہ شکستہ خط میں لکھا گیا ہے لیکن کسی پختہ قلم نے لکھا ہے کہ اس سے شکستہ خط کا کمال ظاہر ہوتا ہے۔ حیات علی ان کا نام ہے۔

(۶۴) بہار سخن[۵]

۱۔ یہ کتاب محمد صالح کمبوہ کی تالیف ہے محمد صالح نے شاہ جہانی دور کی تاریخ "عمل صالح" لکھکر اچھی شہرت پیدا کی ہے۔

۲۔ اس کتاب میں مولف نے جو منشات فراہم کئے ہیں ان کی نوعیت یہ ہے۔

الف۔ عالمگیر کے وہ مکاتیب جو شاہان ایران و توران اور دوسرے حکام کو روانہ کئے گئے جواب میں جو مکاتیب وصول ہوئے وہ بھی نقل کئے ہیں۔

---

[۱] فہرست ظفر حسن صاحب صفحہ ۲۸ نمبر ۲۲۴۔ [۲و۳] مقدمہ رقعات عالمگیر، تالیف نجیب اشرف صاحب صفحہ ۳۷ [۴] کتب خانۂ آصفیہ، انشا فارسی ۸۶ و ۲۹۴

[۵] فہرست ظفر حسن صاحب صفحہ ۴۹ نمبر ۲۳۸۔

ب ۔ شاہزادوں کے مکاتیب جنکا باہمی تبادلہ عمل میں آیا۔

ج ۔ مولف کے ایسے رقعات جو انہوں نے اپنے قرابت داروں کو لکھے۔

د ۔ آگرہ، لاہور، اکبرآباد، کشمیر وغیرہ کی توصیف۔

۳۔ کتب خانۂ آصفیہ کا قلمی نسخہ ۱۱۰۵ھ کا مکتوبہ ہے، ناقل کا نام راجہ رام ہے جو لاہور کے رہنے والے تھے، شاہ جہاں آباد میں یہ نقل مکمل ہوئی، نسخہ کا خط اچھا ہے[1]۔

(۶۵) دستور العمل آگاہی[2]۔

۱۔ اس مجموعہ کے مولف کا نام راجہ ایال ہے۔

۲۔ ۱۱۵۶ھ سال تالیف ہے، جیسا کہ تمہید سے واضح ہے۔

۳۔ اس مجموعہ میں عالمگیر کے زمانۂ بادشاہت کے احکام و مکاتیب جمع کیے ہیں۔

۴۔ یہ رسالہ بہت متداول ہے، اسکے بہت نسخے دست یاب ہوتے ہیں۔ کتب خانۂ آصفیہ میں چار نسخے مخزون ہیں[3]۔ ایک نسخہ خوش خط ہے، تینوں نسخے کامل ہیں، ہر ایک میں البتہ قدرے اختلاف ضرور ہے کتب خانہ جامعہ عثمانیہ میں بھی ایک نسخہ موجود ہے[4]۔

(۶۶) کلمات طیبات[5]۔

۱۔ مولف کا نام عنایت اللہ ہے۔ ان کی ایک اور بھی تالیف احکام عالمگیر کے نام سے دیکھنے میں آئی ہے[6]۔

۲۔ اس مجموعہ میں بھی عالمگیر کے زمانۂ حکمرانی کے احکام و مکاتیب جمع کیے گئے ہیں۔

۳۔ کتب جامعہ عثمانیہ میں ایک نسخہ مہیا ہوا ہے جو خوش خط ہے، ناقل کا نام محمد سعید ہے[7]۔ کتب خانۂ آصفیہ میں بھی ایک نسخہ حاصل کیا گیا ہے۔ یہ نسخہ خوش خط اس کا کاغذ افشاں زدہ طلائی جدول اور صفحۂ اول کا عنوان منقش و مطلا ہے۔

---

[1] کتب خانۂ آصفیہ انشا فارسی ۲۵۴ ۔ فہرست میں اس کا نام چہار چمن لکھدیا ہے جو درست نہیں۔ [2] فہرست ظفر حسن صاحب صفحہ ۲۹ نمبر ۲۳۹۔ [3] کتب خانۂ آصفیہ انشا فارسی ۳۱، ۱۳۰، ۱۵۵، ۱۱۲، آخر الذکر نسخہ کلمات طیبات کے نام سے شامل ہے۔ [4] کتب خانۂ جامعہ عثمانیہ کتب قلمی ۱۴۳، ۵۲/۳۸، اس مجموعہ میں شامل ہے۔ [5] فہرست ظفر حسن صاحب صفحہ ۳ نمبر ۲۴۔ [6] عالمگیری مکاتیب کے سلسلہ میں ہر قسم کے حوالے کیلئے مقدمہ رقعات عالمگیر ملاحظہ کرنا چاہئیے تالیف نجیب اشرف صاحب سلسلۂ دار المصنفین اعظم گڈھ۔ [7] کتب خانۂ جامعہ عثمانیہ کتب قلمی ۴۷، ۵۲/۳۹۔

(۶۷) شقہ جات عالمگیری[ـ۱ـه]

۱۔ اس نام سے ایک رسالہ کتب خانۂ آصفیہ میں حاصل کیا گیا ہے اس کا دیباچہ دستور العمل آگاہی سے مماثل ہے لیکن متن کتاب بالکل مختلف ہے۔

۲۔ نسخہ خوش خط ہے لیکن یہ بات متحقق نہ ہوسکی کہ آیا وہ مکمل بھی ہے یا نہیں[ـ۲ـه]۔

(۶۸) دستور العمل عالمگیری[ـ۳ـه]

۱۔ خان بہادر ظفر حسن صاحب نے اس نام سے ایک کتاب کا حوالہ دیا ہے اسکے متعلق مزید تفصیلات معلوم نہ ہوسکیں البتہ اتنا متحقق ہے کہ اس وقت کے نظم و نسق کے متعلق جو کتابیں اسی زمانہ میں ترتیب پائیں ان کو دستور العمل اور ضوابط وغیرہ ناموں سے موسوم کیا گیا ہے۔ سر جادو ناتھ سرکار نے اپنی کتاب "مغل اڈمنسٹریشن" میں اس نوعیت کی دو ایک کتابوں کا حوالہ دیا ہے اور بڑی حد تک ان سے مواد اخذ کیا ہے۔ اس نوعیت کا ایک رسالہ کتب خانۂ آصفیہ میں بھی مخزون ہے۔

۲۔ اس رسالہ کا نام کتب خانۂ آصفیہ کی فہرست میں "فہرست ضوابط صوبجات ہند" لکھا گیا ہے[ـ۴ـه]۔

۳۔ اس رسالہ کے مولف اور زمانۂ تالیف کی نسبت کوئی امر تحقیق نہ پاسکا۔ البتہ یہ بات واضح ہوئی کہ اسکی تالیف عالمگیری زمانہ میں ہوئی ہے۔

۴۔ اس کا موضوع مغلیہ عہد کے نظم و نسق کی بعض تفصیلات ہیں۔

ـ۱ـه۔ اس کا حوالہ ظفر حسن صاحب کی فہرست میں نہیں ہے۔

ـ۲ـه۔ کتب خانہ آصفیہ انشا فارسی ۱۱۱۔ عالمگیری عہد کی غیر مطبوعہ کتابوں میں ظفر حسن صاحب نے نگارنامہ منشی کا بھی حوالہ دیا ہے لیکن یہ کتاب سنہ ۱۲۹۹ھ میں مطبع نول کشور لکھنو نے چھاپ دی ہے۔

ـ۳ـه۔ فہرست ظفر حسن صاحب صفحہ ۲۹ نمبر ۲۳۹

ـ۴ـه۔ کتب خانہ آصفیہ تاریخ فارسی ۱۶۵

۵۔ اس کتاب کے مضامین کی نوعیت حسب ذیل ہے۔

الف۔ جمع ممالک محروسہ

ب۔ طول وعرض (رقبہ) ممالک ہندوستان۔

ج۔ مختلف ممالک ہندوستان کا فاصلہ دوسرے ممالک ہندوستان سے۔

د۔ قلعوں کی تفصیل۔

ھ۔ جمع ملک بیجاپور۔

و۔ دستور وزن وغیرہ

ز۔ تواریخ تولد شاہزادگان وغیرہ۔

ح۔ دیوان اعلیٰ، دیوانیاں تن، دیوانیاں خالصہ

ط۔ بخشیاں عالمگیری

ی۔ خان سامان عالمگیری

ک۔ القاب وزرا

ل۔ خطاب یافتگان (مرتب بہ لحاظ حروف تہجی)

م۔ دستور کار خان سامان، دستور کار خانجات و خزائن،

ن۔ فرائض دیوان اعلیٰ، میر بخشی، بخشی دوم،

۶۔ کتب خانۂ آصفیہ کا یہ نسخہ خوش خط اور ۱۱۸۶ھ کا لکھا ہوا ہے۔[1]

(۶۹) وقایع سرکار رن تھن بور۔[2]

۱۔ مغلیہ دور حکمرانی میں صوبہ اجمیر سات سرکاروں میں منقسم تھا۔[3] ان کے من جملہ ایک سرکار رن تھن بور بھی ہے[4]

---

[1] کتب خانۂ آصفیہ تاریخ فارسی عدد ۱۶۵ [2] اس کتاب کا حوالہ ظفر حسن صاحب کی فہرست میں نہیں ہے۔

[3] "سرکار" موجودہ "ضلع" کے مفہوم میں مستعمل تھا۔ [4] آئین اکبری صفحہ ۱۲۰ جلد دوم۔

۲۔ پیش نظر کتاب وہاں کے وقایع اور روزنامچہ پر مشتمل ہے۔ جس طرح کہ اور دوسرے وقایع نگاروں کا دستور تھا۔ اس وقایع نگار نے بھی ایسے امور ضبط تحریر میں لائے ہیں جنکو از روئے قواعد و دستور وقایع نگاری بارگاہ شاہی میں عرض کرنا ضروری تھا۔ غالباً ہر وقایع نگار کے پاس ایک رجسٹر بھی ہوتا تھا جس میں روزانہ مرتب شدہ وقایع کی کھتاونی ہوا کرتی تھی پیش نظر کتاب غالباً اسی نوعیت کا ایک رجسٹر ہے۔

۳۔ اس کتاب یا رجسٹر پر جو مہر ثبت ہے اس میں "عطایار خاں فدوی بادشاہ عالمگیر" کے الفاظ پڑھے جاتے ہیں قرینۂ غالب یہ ہے کہ یہی صاحب وقایع نگار تھے۔

۴۔ اس رجسٹر کے متن سے واضح ہوتا ہے کہ یہ وقائع سنہ ۲۲ جلوس م سنہ ۱۰۹۰ھ کے ہیں۔

۵۔ عالمگیری زمانہ کی عام پالسی اور طریق کار کا اصلی سراغ اس قسم کے ہی مواد سے چل سکے گا اگر پیش نظر کتاب کا بالاستعیاب مطالعہ کیا جائے تو بیسیوں جدید معلومات فراہم ہونگے۔ اس کے متعلق کیفیت مرتب کرنے کیلئے ایک پورے مقالہ کی ضرورت ہے۔ رقعات عالمگیری سے بڑھ کر ان روزنامچوں کی اہمیت ہے کہ روزمرہ واقعات و حالات اور نظم و نسق کے جزیات کا پتہ ان سے چلتا ہے۔

۶۔ یہ ضخیم مجموعہ وقایع ۳۴۶ صفحات پر مشتمل ہے اور صاف طور سے ان کو پڑھا جا سکتا ہے کتب خانۂ آصفیہ میں ابھی حال میں شامل ہوا ہے اس لئے مطبوعہ فہرستوں میں اس کا حوالہ موجود نہیں ہے[1]۔

شاہ عالم

(۷) تاریخ بہادر شاہی[2]

۱۔ کتب خانہ آصفیہ میں ایک کتاب اس نام سے مخزون ہے۔ یہ امر متحقق نہ ہو سکا کہ آیا یہ وہی کتاب ہے جسکا حوالہ خان بہادر ظفر حسن صاحب نے دیا ہے۔

۲۔ یہ امر واضح ہے کہ یہ کتاب زمانۂ مابعد عالمگیر کے واقعات پر ہی مشتمل ہے۔ رفیع الدولہ کے انتقال (سنہ ۱۱۳۱ھ) تک واقعات کا سلسلہ قائم رکھا ہے۔

---

[1] کتب خانۂ آصفیہ تاریخ فارسی ۲۲۴۲۔ [2] فہرست ظفر حسن صاحب صفحہ ۳۲ نمبر ۲۶۶ برٹش میوزیم کیٹلاگ جلد ۲ صفحہ ۸۹۴

۳۔ کتاب کا آغاز یوں ہے کہ

"شہ سواران ملک معنی کہ ھنگام ......"

۴۔ کتب خانۂ آصفیہ کا نسخہ حالیہ ہے اور خوش خط ہے۔[۱]

(۷۱) جنگ نامہ محمد معظم شاہ و اعظم شاہ[۲]

۱۔ مولف نے اپنا نام شیخ عطا اللہ ظاہر کیا ہے۔

۲۔ کتب خانۂ آصفیہ کا نسخہ مکمل نہیں ہے۔[۳]

محمد شاہ

(۷۲) گلشن عجائب[۴]۔

۱۔ اس کتاب کے مولف کا نام فی الوقت ظاہر نہیں ہوا۔

۲۔ اس کتاب کا موضوع انشا ہے اور زمانہ محمد شاہی کے مکاتیب و فرامین جمع کیے ہیں حضرت آصف جاہ نور اللہ مرقدہ کی عرضداشتیں جو محمد شاہ کی پیشگاہ میں گزرانی گئیں اس مجموعہ میں شامل ہیں۔

۳۔ کتب خانۂ آصفیہ میں اس کتاب کا ایک مخطوطہ مہیا ہو چکا ہے۔[۵]

(۷۳) منشآت موسوی خاں[۶]۔

۱۔ میر محمد ہاشم موسوی خاں معز الدولہ جرأت اورنگ آباد میں پیدا ہوئے۔ لڑکپن سے ہی ان میں جودت اور ذہانت کے آثار ہویدا تھے ۱۴ سال کی عمر میں انھوں نے کامل ہوش مندی حاصل کر لی تھی

---

[۱] کتب خانۂ آصفیہ تاریخ فارسی ۲۱۴۳۔ [۲] ظفر حسن صاحب کی فہرست میں اس کا داخلہ موجود نہیں ہے۔ [۳] کتب خانۂ آصفیہ تاریخ فارسی ۷۶۱

[۴] فہرست ظفر حسن صاحب صفحہ ۲۳ نمبر ۲۷

[۵] کتب خانۂ آصفیہ انشا فارسی ۱۴۵

[۶] اس کتاب کا حوالہ ظفر حسن صاحب کی فہرست میں نہیں ہے۔

نہوں نے اولاً امیر الامرا سید حسین علیخاں بارہہ کا توسل پیدا کیا۔ بعد ازآں حضرت آصف جاہ کے پاس ملازمت اختیار کرلی سیف و قلم دونوں پر اقتدار پایا تھا۔ اس لئے ایک طرف دو ہزاری و پانصدی و سہ صد سوار کا منصب ملا تو دوسری طرف میر منشی دارالانشا کا اعزاز حاصل کیا یہ اعزازات حضرت ناصر جنگ شہید کے زمانہ میں بھی برقرار رہا۔ چہار ہزاری کا منصب اور معز الدولہ خطاب ملا۔ نواب صلابت جنگ کے زمانہ میں بڑھاپے کے باعث گوشہ نشینی اختیار کرلی اور نگ آباد میں انتقال ہوا۔[۱]

۲۔ صاحب ماثر الامرا نے بیان کیا ہے کہ جرات بظاہر میر منشی تھے لیکن حضرت آصف جاہ کے پاس ان کو جو قرب حاصل تھا وہ اس مرتبہ کا تھا کہ اس سے مافوق کوئی درجہ نہیں ہو سکتا۔ لکھا ہے کہ حضرت آصف جاہ نے ایک مرتبہ شاہی دربار میں عرض کیا کہ

"سر امد نعمائے الٰہی رفاقت ایں مرد است کہ سید و فاضل و حکیم و منشی و شاعر و مشیر راز دار است"

۳۔ مولف نے بیان کیا ہے کہ خود انہوں نے اس خوف سے کہ کہیں ان کی یہ متاع ضائع نہ ہو جائے اپنے منشآت کا مجموعہ مرتب کیا۔

۴۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ مولف نے اپنے منشآت کا ایک کامل مجموعہ مرتب کیا۔ اور اس مجموعہ کی تالیف کے بعد غالباً خود مولف اور دوسرے ارباب ذوق نے اس ماخذ سے دوسرے منتخبات مرتب کئے۔

---

[۱] کتب خانۂ آصفیہ میں جرات کا جو ضخیم مجموعہ مخزون ہے (۳۲۹) انشا فارسی اس میں "مقصد ثانی مکتوبات" سے پہلے مولف نے اپنے مختصر حالات بھی قلم بند کئے ہیں۔ صاحب گل رعنا منشی لچھمی نارائن شفیق اور صاحب سرو آزاد مولانا غلام علی آزاد بلگرامی نے ان حالات کو ہی اپنا ماخذ قرار دیا ہے۔ گل رعنا کتب خانۂ آصفیہ میں موجود ہے۔ سرو آزاد ملاحظہ ہو صفحہ ۲۳۶۔۲۳۸ مطبوعہ ماثر الامرا میں بھی جرات کے حالات قلعہ دارقاں کے حالات کے سلسلہ میں سپرد قلم کئے ہیں صفحہ ۱۹ ! جلد سوم۔ محبوب الزمن تذکرہ شعرائے دکن میں بھی جرات کے حالات قلم بند کئے ہیں۔ جلد اول مطبوعہ ۱۳۳۵ھ۔ راقم الحروف کا ایک مضمون "حضرت آصفجاہ اول کے احکام" کے عنوان سے رسالہ شہاب فروری ۱۹۳۷ء میں شائع ہوا ہے۔

۵۔ کتب خانۂ آصفیہ میں تین نسخے مہیا ہیں ایک تو کامل مجموعہ ہے اور دو مختصر مجموعے۔ تینوں نسخے اچھی حالت میں ہیں[۵۱]۔ کتب خانۂ مدرسۂ نظامیہ میں بھی پورے منشآت کا ایک کامل مجموعہ موجود ہے[۵۲] جو خوشخط اور مصحح ہے۔ اسکے علاوہ کتب خانۂ سعیدیہ میں بھی ایک مختصر مجموعہ مملوکہ مولوی عبدالسلام مرحوم امانت ہے۔ کتب خانۂ جامعۂ عثمانیہ میں بھی ایک علیحدہ نسخہ دیکھنے میں آیا[۵۳]۔

۶۔ یہ مجموعہ ان عرضداشتوں اور مکاتیب پر مشتمل ہے جن کے مسودے موسوی خاں نے مرتب کئے اور جو حضرت آصفجاہ کی جانب سے بادشاہ کی خدمت میں اور دیگر معاصرین کے پاس روانہ کئے گئے۔ موسوی خاں نے خود اپنی جانب سے جو مکاتیب لکھے وہ بھی اس میں شامل ہیں۔

۷۔ جہاں تک معلوم ہے ان مجموعہائے منشآت کو بطور ایک مآخذ تاریخ کے بہت کم کام میں لایا گیا ہے یہ منشآت معلومات کا ایک بیش قیمت خزانہ ہیں۔ تاریخی نقطۂ نظر سے ان کی ترتیب عمل میں لائی جائے تو واقعات کے اکثر تاریک پہلو روشن ہو جائینگے۔ اس زمانہ کی سیاسی حالت کا اندازہ کرنے کے لئے یہ مجموعہ مکاتیب ایک بہت اچھا مآخذ ہے۔ امور سیاسی اور دیگر عام ملکی معاملات کے متعلق جو امور ان مکاتیب میں قلم بند ہوئے ہیں وہ تاریخ کی عام کتابوں سے فراہم نہیں ہو سکتے۔ کوئی شبہ نہیں کہ اس زمانہ کے مذاق انشا کے مطابق ان مکاتیب کی طرز نگارش رنگینی اور تکلف سے پاک نہیں ہے بریں ہم مسودہ نگار نے یہ کوشش ضرور کی ہے کہ رسم کی پابندی کی وجہ سے پیرایۂ بیان میں کوئی خامی ایسی نہ رہ جائے کہ مطلب دلنشیں نہ ہو سکے۔

---

[۵۱] کتب خانۂ آصفیہ انشا فارسی ۳۳۹ کامل نسخہ ۳۲۱ و ۲۰۲ مختصر مجموعے۔ ۳۳۹ یہ نسخہ مولف کے منشآت کا بڑا ضخیم مجموعہ ہے ۱۲ سطری مسطر کے ۳۲۸ صفحات پر ختم ہوا ہے نسخہ مکمل اور ترقیمہ موجود ہے۔ ۳۲۱ بلا تمہید شروع ہوا ہے اور اپنی جگہ کامل ہے۔ ۲۰۲ یہ نسخہ بھی گو کامل ہے لیکن پہلے دو نسخوں سے مختلف ہے تہید موجود ہے۔ آخر میں ترقیمہ بھی ہے یہ نسخہ کتب خانۂ سعیدیہ کے نسخہ سے مماثل ہے۔ [۵۲] کتب خانۂ مدرسۂ نظامیہ انشا ۲۰ کتب خانۂ آصفیہ کے نسخہ ۳۳۹ سے مماثل۔ [۵۳] کتب جامعۂ عثمانیہ کتب قلمی ۱۴۲ $\frac{52}{28}$۔

۸۔ مختصر طور سے مضامین کی نوعیت حسب ذیل ہے۔

الف۔ تہنیت

ب۔ تعزیت

ج۔ سفارش

د۔ اشتیاق ملاقات

ھ۔ شکریہ

و۔ اظہار مسرت

ز۔ واقعات پیش آمدہ

ح۔ امور سیاسی

ط۔ عام ملکی معاملات

ی۔ ارباب اقتدار کی کمزوریوں اور خودغرضیوں کا اظہار۔

ک۔ وفاشعاری

ل۔ عام پالیسی

م۔ حالات پر تبصرہ

ن۔ خاص ڈپلومیسی

س۔ مختلف مشاہیر کا تذکرہ

ع۔ مقامات کے حالات

ف۔ معاملات نظم ونسق

ص۔ اجرائی کار کی ہدایات

ق۔ امور مملکت کے متعلق صلاح ومشورہ۔

ر۔ معرکوں کے حالات

(۷۴) تاریخ محمد شاہی[۵۱]

۱۔ مولف کا نام محمد تقی السا روی ظاہر ہوا۔

۲۔ محمد شاہ کے زمانہ کے حالات پر یہ کتاب مشتمل ہے۔

۳۔ کتب خانۂ آصفیہ کا یہ نسخہ بہت ہی خوش خط ہے۔ پہلا اور دوسرا صفحہ منقش و مطلا و دیدہ زیب ہے حسن کاری کے ہر شایق کا دل اسکی جانب کھنچ جائے۔ نسخہ کامل ہے اور ۱۲۱۵ھ میں تحریر ہوا ہے۔[۵۲]

(۷۵) واقعات اظفری[۵۳]

۱۔ مرزا علی بخت گورگانی اظفری کی تالیف ہے۔ مولف خاندان تیموری کے ایک رکن تھے۔

۲۔ اس کتاب میں مولف نے اپنی ذاتی سوانح حیات مرتب کی ہے اور ہندوستان سے جانب مدراس جو سفر کیا اسکے حالات قید تحریر میں لائے ہیں۔ انہوں نے اس شورش کا مفصل تذکرہ کیا ہے جو غلام قادر روہیلہ نے برپا کی تھی۔

۳۔ اس کتاب کا ایک نسخہ کتب خانۂ مولوی صفی الدین مرحوم میں کاملا خوش خط موجود ہے مولوی عبدالوہاب مدار الامرا دیوان نواب صاحب کرناٹک نے اسکی تصحیح کی ہے۔ کتب خانۂ جامعۂ عثمانیہ میں بھی ایک نسخہ معائنہ میں آیا گو یہ نسخہ بھی خوش خط ہے لیکن غیر مکمل ہے۔[۵۴]

کتابوں کے متعلق تذکرہ یہاں ختم کر دیا جاتا ہے۔ یہ بات واضح رہے کہ نہ صرف خان بہادر ظفر حسن صاحب کی بیان کردہ ساری کتابیں بلکہ اسکے علاوہ مزید کتابیں حیدرآباد میں تلاش و تجسس سے دستیاب ہو سکتی ہیں اسکے قطع نظر مطبوعہ کتابوں کے مخطوطات، صوبہ داری تاریخ کی کتابوں، ایران اور دوسرے ممالک کی معاصرانہ

۵۱۔ اس کتاب کا حوالہ ظفر حسن صاحب کی فہرست میں نہیں ہے۔

۵۲۔ کتب خانۂ آصفیہ تاریخ فارسی ۵۱۲

۵۳۔ فہرست ظفر حسن صاحب صفحہ ۳۶ ع ۳۰۵

۵۴۔ کتب خانۂ جامعۂ عثمانیہ ۱۴۴، ۵۲/۱۲۔

کتب تاریخ نیز بحیثیت مجموعی تاریخ اسلام کے متعلق عربی و فارسی ماخذوں کا کھوج لگایا جائے تو ایک دفتر کا دفتر چاہیئے ۔ اسکے لئے نہ تو وقت ہے اور نہ مواقع ۔ خدا کرے کہ اس ابتدائی سعی کے بعد ایسے مواقع میسر ہوں کہ حیدرآباد میں دستیاب ہونے والی کتب تاریخ کی ایک جامع فہرست مرتب ہوجائے ۔

کتابوں کے اس تبصرہ کے بعد کاغذات کے متعلق تھوڑا بہت تذکرہ ضروری ہے ۔ جیسا کہ اس سے پہلے واضح کیا جاچکا ہے ۔ ہندوستان کے طول و عرض میں تاریخی کاغذات بہ تعداد کثیر حاصل ہوسکتے ہیں ۔ حیدرآباد بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے ۔ یہاں کے بیسوں قدیم خاندانوں میں سینکڑوں کاغذات موجود ہیں ۔ اب تک ان سے بالغرض ذاتی کام لیا گیا ہے ۔ ان کی تاریخی اہمیت کا اب تک کوئی عام احساس پیدا نہیں ہوا ۔ ان کی تاریخی اہمیت واضح کرنے اور ان سے بطور ایک ماخذ تاریخ کام لینے کی جانب کوئی توجہ نہیں ہوئی ۔

کتب خانۂ سعیدیہ میں خانگی طور پر پہلی مرتبہ ایسے کاغذات عام معائنہ کیلئے رکھے گئے ہیں جن سے خود مملکت آصفیہ کی ابتدائی تاریخ پر روشنی پڑتی ہے ۔ واضح ہو کہ شاہ خلد مکان عالمگیر کے انتقال کے بعد تاریخ ہند میں غالباً پہلی مرتبہ دکن کی سرزمین ہندوستان کے حکمرانوں کی تبدیلی کا تماشا گاہ بنی ہے ۔ اس تبدیلی کے تماشے میں کرناٹک کے نواب انورالدین خاں اور ان کے فرزند نواب محمد علی خاں والاجاہ نے بڑا حصہ لیا لیکن جہاں تک علم ہے ریاست خاندان والاجاہی کی تاریخ پر ارباب تاریخ نے بہت کم توجہ کی ہے ۔ کتب خانۂ سعیدیہ میں جو کاغذات موجود ہیں وہ والاجاہی دفتر کے اصلی سرکاری کاغذات ہیں ۔ اس دفتر میں ایسے کاغذات بھی ہیں جن کا تعلق سلطنت ابد مدت آصفیہ سے ہے ۔ رؤسائے آصفیہ کے عنایت نامے ، فرامین و اسناد اور امرا و اکابر حیدرآباد سے رؤسائے کرناٹک کی باہمی مراسلت کا اچھا ذخیرہ محفوظ ہے ۔

جو کاغذات فی الوقت کتب خانۂ سعیدیہ میں امانت ہیں ان کی نوعیت یہ ہے ۔

۱ ۔ عادل شاہی فرامین موسومہ شاہ جی بھونسلہ وغیرہ ۔
۲ ۔ شاہان مغلیہ کے فرامین موسومہ نواب صاحب کرناٹک و راجہ تنجاور ۔
۳ ۔ رؤسائے آصفیہ کے عنایت نامے موسومہ راجہ تنجاور ۔

۴۔ نواب بسالت جنگ اور نواب محمد علی خاں والاجاہ کی مراسلت۔

۵۔ نواب غازی الدین خاں اور نواب محمد علی خاں والاجاہ کی مراسلت۔

۶۔ نواب نظام علی خاں اور نواب محمد علی خاں والاجاہ کی خط و کتابت۔

۷۔ نواب نظام علی خاں کے عنایت نامے مختلف زمینداروں اور نوابوں کے نام۔

۸۔ نواب رکن الدولہ و نواب صاحب کرناٹک کی مراسلت۔

۹۔ نواب ارسطو جاہ اور نواب والاجاہ کی مراسلت۔

۱۰۔ میر عالم اور نواب صاحبان کرناٹک کی خط و کتابت۔

۱۱۔ اصلی فارسی مراسلت مابین وارن ہسٹنگس و نواب صاحب کرناٹک۔

۱۲۔ اصلی فارسی مراسلت مابین لارڈ کارنوالس و نواب صاحب کرناٹک۔

۱۳۔ لارڈ ولزلی و نواب صاحبان کرناٹک کی اصلی فارسی خط و کتابت۔

۱۴۔ خطوط جن کا تبادلہ مابین نواب صاحب کرناٹک اور سر جان شور ہوا۔

۱۵۔ سر جان میکفرسن اور نواب صاحب کرناٹک کی فارسی مراسلت۔

۱۶۔ مختلف گورنران مدراس کے انگریزی اور فارسی مراسلے۔

۱۷۔ ٹیپو سلطان کے بعض خطوط۔

۱۸۔ نواب صاحب کرناٹک کے احکام۔

ان کے علاوہ کاغذات، خطوط، فرامین، اسناد، دستاویزات، جنتریاں، روئداد، لئے ملاقات، اور روزنامچوں کا وافر ذخیرہ مہیا ہے۔[۵]

---

[۵] ۔ ان کاغذات کے متعلق متعدد مضامین راقم الحروف نے لکھے ہیں جو اردو رسائل و اخبارات میں شائع ہوئے (۱) ہندوستان کی ابتدائی فرانسیسی اور انگریزی کشمکش میں خاندان انوری کا حصہ "مجلۂ عثمانیہ" نمبر ۲ و ۳ جلد ۴۔ (۲) "واقعہ ارکاٹ" مجلۂ عثمانیہ نمبر ۲ جلد ۴۔ (۳) چند تاریخی اسناد "مجلۂ عثمانیہ" میں (۴) "حضرت ناصر جنگ شہید کے بعض عنایت نامے" رسالہ معارف نمبر ۶ جلد ۳۱۔ (۵) صلابت جنگ مرحوم کے بعض عنایت نامے" معارف اعظم گڈھ نمبر ۱ جلد ۳۲۔ (۶) کرناٹک کی تاریخ کے بعض پہلو" شہاب حیدرآباد جلد ۲ نمبر ۶ سالنامہ رہبر دکن حیدرآباد اور رعیت حیدرآباد میں بھی ایک ایک مضمون شائع ہوا ہے۔

اس مختصر تبصرہ کو اب ختم کر دیا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہندی تاریخ کی صداقت اور سچائی کو روشن کرنے کے کام کو ایک قومی فرض کی حیثیت حاصل ہے اگر کسی ہندوستانی نوجوان کی زندگی کا کچھ حصہ اس فرض کی انجام دہی میں صرف ہوا تو یہ اسکی خوش بختی ہے۔ کیا عجب ہے کہ باہمی کوشش وسعی سے صداقت اور سچائی کی عمارت بلند سے بلند تر ہوتی چلی جائے اور بالآخر اسکے بلند ترین کنگروں سے حقیقت کی روشنی دور و نزدیک ضیا افگنی کرے۔ فقط محمد غوث

غزل

زندگی موت کی صورت نظر آتی ہے مجھے ۔ موت پر زیست کی تہمت نظر آتی ہے مجھے
حسن ترغیب محبت کے سوا کچھ بھی نہیں ۔ عشق ہی عشق کی قیمت نظر آتی ہے مجھے
کیا کروں دل کا مداوا کہ وفا دوست ہوں میں ۔ درد سے دل کو محبت نظر آتی ہے مجھے
اپنی قسمت میں نہیں لذت غم بھی شاید ۔ زیست پھر مائل عشرت نظر آتی ہے مجھے
دل کو وہ درخور آزار ستم تو سمجھے ۔ یہ بھی اک ان کی عنایت نظر آتی ہے مجھے
کفر سامانئ ناکام تمنا توبہ ۔ دل مایوس میں راحت نظر آتی ہے مجھے

آپ دیکھیں تو ذرا نفس قتیل خستہ
آج کچھ اور ہی حالت نظر آتی ہے مجھے

حفیظ قتیل بی۔ اے (عثمانیہ)

مسئلۂ جبر و قدر جدید سائنس میں

(یہ مقالہ کانفرنس طیلسانیین عثمانیہ میں سُنایا گیا تھا اور رسالۂ سائنس میں شائع ہوا)

اپنی طویل علالت کے باعث میں ایک عرصہ سے تقریر و تحریر کا کوئی کام کرنے کے قابل نہیں ہوں لیکن دو تین دن قبل اس کانفرنس کے معتمد صاحب نے مجھ سے اصرار کیا کہ گذشتہ کی طرح اس مرتبہ بھی میں آپ کے سامنے اپنے کچھ خیالات پیش کروں۔ چونکہ اس قسم کی فرمائش اور وہ بھی ارباب انجمن کی طرف سے میں رد نہیں کرسکتا تھا اس لئے میں نے مذکورہ عنوان پر کچھ کہنے کی رضامندی ظاہر کی۔ اگرچہ معتمد صاحب نے پروگرام میں اپنی نوازش سے ان چند خیالات کیلئے "مقالہ" کا بھاری بھرکم اور مرعوب کن لقب مقرر کیا ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ مختصر نوٹ اس لقب کا کسی طرح مستحق نہیں ہے۔ ویسے تو ہمارے ہاں آئے دن "مقالات" چھپتے ہی رہتے ہیں تو پھر کیا ضرور ہے کہ ان کی تعداد میں ایک اور مقالہ کا اضافہ کیا جائے۔

اس عنوان کو تجویز کرتے وقت میرے پیش نظر دو وجوہات تھے۔ ایک تو یہ کہ حال ہی میں رسالۂ سائنس کیلئے میں نے اسی قسم کا ایک نوٹ لکھا تھا جو شاید اسی مہینہ شایع ہو رہا ہے میں نے سمجھا کہ اگر اس کے شایع ہونے کے قبل آپ بھی ان خیالات کو سُن لیں تو کوئی مضائقہ نہ ہوگا۔ دوسرے یہ کہ اس سے موجودہ زمانے اور خصوصاً نوجوان طبقہ کی ایک عام غلط فہمی کے ازالہ کی کوشش مقصود ہے۔ اس غلط فہمی کا اثر محض انفرادی اور وقتیہ نہیں ہے بلکہ اس سے ہماری جماعت بھی بہت زیادہ متاثر ہو رہی ہے۔ مادیت کے چکر میں جکڑی ہوئی قوموں کی جو درگت آج کل بن رہی ہے اس کو دیکھتے ہوئے ہر حساس دل کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ کم از کم اپنی جماعت اور قوم کو اس تباہی سے بچانے کی کوشش کی جائے۔ فکر و نظر کی کوتاہی

اور جدید علوم کے تازہ ترین نتیجوں سے ناواقفیت کی بنا پر ہمارے نوجوان مادیت کے راستے سے ہوتے ہوئے الحاد کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ اسی حالت کو دیکھ کر شاعر مشرق نے کہا تھا۔

خوش تو ہیں ہم بھی جوانوں کی ترقی سے مگر
لب خنداں سے نکل جاتی ہے فریاد بھی ساتھ

ہم تے سمجھا تھا کہ لائے گی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلے آئے گا الحاد بھی ساتھ

گھر میں پرویز کے شیریں تو ہوئی جلوہ نما
لیکے آئی ہے مگر تیشۂ فرہاد بھی ساتھ

اس رجحان کے پیدا کرنے میں زیادہ تر سائنس کی اس ترقی کا ہاتھ ہے جو ۱۹ ویں صدی میں ہوئی اور جس نے مادیت اور دہریت کے پرستاروں کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ کر دیا۔ اس بیسویں صدی میں اگرچہ سائنس کے بنیادی اصول میں عظیم الشان انقلاب ہو گیا ہے لیکن عوام کو اور خصوصاً ہمارے نوجوانوں کو ان جدید اصولوں سے کما حقہ واقفیت نہیں ان کے خیالات اب بھی اسی ۱۹ ویں صدی کی سائنس کے زیر اثر ہیں۔ خود سائنس اور اس کے ماہرین نے مادیت کا جھنڈا پست کر دیا ہے لیکن ہمارے یہ گواہ مدعی سے بھی زیادہ چست ہیں اور اسی مادیت کی رو میں بہے چلے جا رہے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ مذہب اور اعتقاد کا معاملہ زیادہ تر ایمان کا معاملہ ہے اور محض استدلال سے یہ گتھی حل نہیں ہو سکتی ہماری اس تحریر کا منشا یہ ہے کہ لوگ اپنی دہریت اور مادیت کے لیے سائنس کو آڑ نہ بنائیں اور نام نہاد سائنسی دلیلوں سے خود کو حق بجانب ثابت کرنے کی کوشش نہ کریں۔ کیونکہ جدید سائنس نہ صرف ان کے لئے کوئی دلیلیں مہیا نہیں کرتی بلکہ اب تو اس عقیدہ کو باطل ہی کر رہی ہے۔

فلسفۂ مادیت اور جبر و اختیار کے مسئلہ میں بہت قریبی اور گہرا تعلق ہے اور اس مضمون میں ان دونوں مسئلوں پر ایک ساتھ بحث ہو گی جس سے سائنس کے موجودہ رجحان کا پتہ چل سکیگا۔

جب سے مذہب اور فلسفہ کی منظم بنیادیں قائم ہوئی ہیں مسئلہ جبر و قدر ایک بہت معرکتہ الآرا مسئلہ رہا ہے جس کا اور بڑے مسئلوں کی طرح آج تک کوئی قطعی فیصلہ نہیں ہو سکا۔ فلسفہ اور مذہب خود کو سائنس سے بالا و برتر سمجھتے ہیں لیکن اگر ان کے کسی مسئلہ پر سائنس سے کوئی روشنی پڑتی ہے تو وہ اس سے

فائدہ اُٹھانے میں کوتاہی نہیں کرتے بلکہ اس کو زیادہ سے زیادہ استعمال کرتے ہیں تاکہ معقولیت پسند لوگوں کی تشفی ہوسکے چنانچہ جو فلسفی اور علما جبر کے قائل تھے انہوں نے گذشتہ صدی بلکہ خود موجودہ صدی کے اوائل میں سائنس کی کامیابی سے فائدہ اٹھاکر اپنے اعتقاد کی تلقین میں بہت مدد لی لیکن گزشتہ تیس چالیس سال میں سائنس کے بنیادی اصول میں ایک انقلاب ہوگیا ہے جس کا بہت بڑا اثر زیر بحث مسئلہ پر بھی ہے

اس مسئلہ کا مرکزی مفہوم یہ ہے کہ انسان اپنے اعمال میں مختار ہے یا مجبور یعنے سوال یہ ہے کہ آیا انسان جو چاہے کرسکتا ہے یا اس کی مرضی کے بغیر اس امر کا تصفیہ پہلے ہی ہوچکا ہے کہ وہ کیا کریگا۔ دُنیا کے تقریباً تمام مذاہب کے فلسفوں میں اس سوال پر ہر زمانے میں طویل بحثیں ہوئی ہیں کیونکہ خدا کے وجود اور سزا وجزا کے امکان کی بنیاد اسی مسئلہ کے حل پر منحصر ہے۔

سائنس کا اثر اس مسئلہ پر اس زمانہ سے شروع ہوا جبکہ نیوٹن نے اپنے کلیۂ تجاذب کی بنا پر نظام عالم کی ایک نظری ترتیب پیش کی اور اس میں بتدریج وسعت ہوتی گئی یہاں تک کہ علوم وفنون کی تمام شاخوں میں یہ اصول سرایت کرگیا۔ نیوٹن کی میکانکس نہایت کامیابی کے ساتھ علم خواص مادہ علم آواز، علم حرارت، علم مناظر، علوم برق ومقناطیس اور علم ہیئت پر ہر طرح سے چھاگئی، اور یوں سمجھا جانے لگا کہ جس سائنس کی بنیاد اس میکانی اصول پر نہ رکھی گئی ہو وہ باضابطہ سائنس ہی نہیں ہے، چنانچہ (۱۹) ویں صدی میں تو علم حیات کی بھی انھی اصول کے تحت تشکیل ہونے لگی اور نہ صرف انسانوں کے اعضا بلکہ دماغ کے افعال کی بھی میکانی توجیہ کی گئی۔

نیوٹن کی میکانکس کا اہم ترین مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی جسم کی موجودہ حالت معلوم ہو تو آئندہ تا ابد اس کی حالت معلوم ہوسکتی ہے یعنے کسی آئندہ وقت پر وہ جسم مجبور ہے کہ ایک خاص حالت میں ہو اس کے علاوہ کوئی دوسری حالت اختیار نہیں کرسکتا۔ میکانکس کی کامیابی کیساتھ ساتھ تعین (DETERMINISM) کا یہ تصور بھی وسیع ہوتا گیا یہاں تک کہ (۱۹ ویں) صدی کے آخر میں یہ اپنے انتہائی عروج پر پہنچ گیا اور تعین کو ساری کائنات پر چسپاں کردیا گیا۔ یعنے سائنس داں یہ ماننے لگے کہ کائنات کی ابتدائی حالتیں اس کی ساری آئندہ تاریخ متعین ہوگئی ہے جس سے وہ ذرہ برابر نہیں ہٹ سکتی۔

فلاسفہ کے اس گروہ نے جو جبریت کا قائل تھا اس اصول کو لے لیا اور بزعم خود یہ سمجھنے لگا کہ اس سے اس کے عقیدہ کی تصدیق ہوتی ہے۔ جب ہر چیز کا فعل متعین ہو گیا تو پھر ایسی دنیا میں ان کے نزدیک خدا کے وجود کی ضرورت ہی باقی نہیں رہی اور اس طرح مادیت اور الحاد میں کافی ترقی ہو گئی۔

لیکن بیسویں صدی کی ابتدا میں نیوٹن کی میکانکس اور اس پر قائم شدہ سائنس کی عمارت کو زبردست دھکہ لگا اور اس کے اصول یکے بعد دیگرے ٹوٹنے لگے۔ یہاں ہم صرف انھی اصول پر بحث کریں گے جنکا تعلق مسئلہ جبر و قدر سے ہے۔ اس بحث میں قدیم سائنس سے ہماری مراد وہ سائنس ہے جس کی تشکیل گالیلیو اور نیوٹن کے زمانہ سے لیکر (۱۹ ویں) صدی کے اواخر تک ہوتی رہی اور جدید سائنس سے مراد وہ سائنس ہے جس کی ابتدا سنہ ۱۹ء میں ہوئی اور جو اب مروج ہے۔

قدیم سائنس میں کائنات کی دو بنیادی چیزیں یا مادہ اور توانائی ہیں جن میں سے ہر ایک ناقابل فنا ہے اگرچہ یہ اپنی حالت بدل سکتے ہیں اور کائنات کے سارے واقعات اسی پر مشتمل ہوتے ہیں کہ مادہ اپنی شکل بدلے یا توانائی متغیر ہو۔ مادہ اور نور کو ایک دوسرے سے بالکل جدا رکھا گیا اور انکی امتیازی خاصیتیں یہ بھی گئیں کہ مادہ ذراتی (CORPUSCULAR) ہے اور توانائی موجی (WAVE-LIKE) ہے لیکن سنہ ۱۹ء میں پروفیسر (PLANCK) نے بتلایا کہ توانائی میں تغیر مسلسل نہیں بلکہ غیر مسلسل ہوتا ہے۔ اس مفہوم کی تعمیم کرتے ہوئے پروفیسر آئن سٹائن نے سنہ ۱۹۰۵ء میں یہ انکشاف کیا کہ نور کی خاصیت نہ صرف موجی ہے بلکہ بعض تجربوں کے نتائج کی توجیہ کیلئے یہ ماننا پڑتا ہے کہ نور کے ذرات بھی ہوتے ہیں اسکے بعد اپنے نظریہ اضافیت کی بنا پر آئن سٹائن نے یہ نتیجہ نکالا کہ توانائی اور مادہ دو مختلف چیزیں نہیں بلکہ ایک ہی چیز کی دو مختلف حالتیں ہیں جو ایکدوسرے میں تبدیل ہو سکتی ہیں۔

بیسویں صدی کا یہ سب سے بڑا انکشاف ہے اور تجربہ سے بھی ثابت ہو چکا ہے کہ مادہ توانائی میں منتقل ہو سکتا ہے اور توانائی مادہ میں چنانچہ سنہ ۱۹۳۲ء میں نور کی دو شعاعوں سے مادی ذرہ پیدا کیا گیا۔

متعدد تجربوں کی بنا پر اب ثابت ہو چکا ہے کہ ذروں کی طرح حرکت کرنا یا اثر کرنا محض مادہ کی خاصیت نہیں بلکہ نور اور توانائی کی بھی خاصیت ہے اور اسی طرح موجی حرکت کرنا محض توانائی ہی کی خاصیت

نہیں بلکہ مادہ بھی موجی خاصیت رکھتا ہے۔ غرض کہ یہ دوئی عالمگیر ہے اور مادہ اور توانائی میں سے ہر ایک میں ذراتی اور موجی دونوں خاصیتیں پائی جاتی ہیں یعنے مادہ کبھی ذروں کیطرح عمل کرتا ہے اور کبھی موجوں کی طرح، یہی حال توانائی کا بھی ہے کہ وہ کبھی ذرّوں کی طرح عمل کرتی ہے اور کبھی موجوں کی طرح۔ اس بنا پر ۱۹۲۴ء میں اور اس کے بعد مختلف علما کی کوششوں سے ایک ایسے میکانکس کی بنیاد پڑی جو نیوٹن کی میکانکس سے بالکل مختلف ہے اور جس کا بنیادی اصول بھی عالمگیر دوئی ہے ۱۹۲۷ء میں اس کوانٹم (QUANTUM MECHANICS) میکانکس سے پروفیسر ہائی زن برگ (HEISENBERG) نے یہ اہم انکشاف کیا کہ وہ اصول تعیّن (DETERMINISM) جو نیوٹن کے زمانہ سے چلا آرہا ہے اب باقی نہیں رکھا جا سکتا۔ ہائی زن برگ نے بتلایا کہ اصول تعین کا دارو مدار اس بات پر ہے کہ اگر کسی وقت ایک جسم کا مقام اور اس کی رفتار معلوم ہو تو کسی آیندہ وقت پر اس کا مقام اور اس کی رفتار کو محسوب کیا جا سکتا ہے، ہائی زن برگ نے ان تمام تجربوں کی تحلیل کی جن کی مدد سے ذرّوں کا مقام یا ان کی رفتار محسوب کیجا سکتی ہے اور ثابت کیا کہ ایک ہی وقت میں مقام اور رفتار کا پوری صحت کے ساتھ معلوم کرنا ممکن نہیں ہے۔ یہ عدم امکان محض اسی وجہ سے نہیں ہے کہ ہمارے آلات نامکمل ہیں بلکہ یہ فی نفسہ ناممکن ہے، تجربہ کرنے اور مشاہدہ کرنے سے ہی اس ذرّہ میں ایسا خلل واقع ہوتا ہے کہ مقام اور رفتار کا صحیح اندازہ ایک ساتھ نہیں ہو سکتا بلکہ ان دونوں میں تھوڑا اشتباہ باقی رہ جاتا ہے، رفتار کو جس قدر زیادہ صحت کے ساتھ معلوم کیا جائے مقام اسی قدر کم صحت کے ساتھ معلوم ہوتا ہے اور مقام کو جس قدر زیادہ صحت کے ساتھ معلوم کیا جائے رفتار اسی قدر کم صحت کے ساتھ معلوم ہوتی ہے یعنی کسی جسم کی ابتدائی حالت کامل صحت کے ساتھ نہیں معلوم ہو سکتی قدیم اصول تعین کے صغریٰ اور کبریٰ یہ ہیں کہ (الف) اگر ابتدائی حالت معلوم ہو تو، (ب) آیندہ حالت خود بخود معین ہو جاتی ہے، ہائی زن برگ سرے سے اس نتیجہ کے صغریٰ کو ہی مسترد کر دیتا ہے، یعنے کہتا ہے کہ کسی جسم کی ابتدائی حالت ہی کامل صحت کے ساتھ نہیں معلوم ہو سکتی۔ پس لازماً یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آیندہ حالت کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔ اس عدم تعین کا ثبوت کوانٹم میکانکس (QUANTUM MECHANICS) کے بنیادی اصول سے راست بھی

مہیّا کیا گیا اور اب عام طور پر مانا جاتا ہے کہ قوانین قدرت کوئی تعیّنی (DETERMINISTIC) قوانین نہیں ہیں بلکہ اوسطی (STATISTICAL) قوانین ہیں، اس نتیجہ نے اس اصول علیت (CAUSALITY) کا خاتمہ کر دیا جس کو کانٹ (KANT) نے اقلیدس کے ہندسہ اور نیوٹن کی میکانکس کی بنا پر پیش کیا تھا اور جو حال حال تک فلسفہ اور سائنس میں مروّج تھا، نہ صرف کائنات بلکہ اس کا کوئی حصّہ یہاں تک کہ کسی ایک ذرّہ کا مستقبل بھی قطعی طور پر متعین نہیں ہے بلکہ وہ کئی ممکنہ حالتوں میں سے کوئی ایک حالت اختیار کر سکتا ہے۔

ماہرین طبعیات کے ایک بڑے گروہ نے اصول علیّت کو خیرباد کہہ دیا ہے، لیکن ایک مختصر گروہ ایسا بھی ہے جس میں پلانک اور آئن سٹائن شامل ہیں اور جو اصول علّیت کو بہت مفید سمجھتا ہے اور جو اس وجہ سے خود علیت کے مفہوم میں ہی ایسی تبدیلی کرنا چاہتا ہے کہ ہائی زن برگ کا عدم تعین کا اصول بھی اس میں شامل ہو جائے۔ چنانچہ پلانک کا قول ہے کہ کسی پیمائش میں عدم تیقّن اس وجہ سے ہوتا ہے کہ جس چیز کو ہم ناپتے ہیں اس کی قیمت خود عمل پیمائش پر منحصر ہوتی ہے، اسلئے خود تجربہ کرنے والے کو اور اس کے آلات کو بھی اس نظام میں شریک کر لینا چاہیئے جسکی پیمائش کیجا رہی ہے اور پھر اس پورے نظام پر اصول علّیت کا استعمال کرنا چاہیئے۔ لیکن اس پر ایک اہم اعتراض یہ ہوتا ہے کہ علّیت کا بنیادی اصول انسان کے ذہن کا تابع ہو جاتا ہے اور اس طرح اس اصول کی نوعیت اساسی نہیں بلکہ عارضی رہ جاتی ہے۔ اس اعتراض کو رفع کرنیکی خاطر جو لوگ تعین کے قائل ہیں وہ ایک ایسے اعلیٰ ذہن کا تصور کرتے ہیں جو تمام طبعی واقعات پر جو کائنات میں کہیں واقع ہوں ان کی پوری تفصیلات کے ساتھ حاوی ہوتا ہے۔ یہ اعلیٰ ذہن ہر ایک واقعہ کے متعلق صحیح پیش گوئی کر سکتا ہے۔ انسان کا ذہن اور اس کے ایجاد کردہ آلات نیچر کے اجزا ہیں اور نیچر کے قوانین کے تابع ہیں، اسلئے انسان صحیح پیش گوئی نہیں کر سکتا لیکن اس قسم کی بندشیں اور رکاوٹیں اعلیٰ ذہن کیلئے نہیں پائی جاتیں۔

غرض کہ خالص سائنس میں عدم تعیّن ایک اٹل اور بنیادی قانون ہے، اسلئے مسئلہ جبر و قدر میں

جو لوگ جبر کے قائل ہیں اور جو دس برس قبل تک اس کی موافقت میں سائنس اور میکانکس کے دلائل پیش کیا کرتے تھے ان کیلیئے یہ دلائل اب باقی نہیں رہتے۔ اسی کے ساتھ مادیت کے معتقدین کی وہ بنیادیں جو انہوں نے سائنس کے اصول پر قائم کی تھیں بالکل منہدم ہو گئی ہیں۔ اول تو جدید سائنس نے اپنا ایک دائرہ عمل معین کر لیا ہے' اور جو امور اس دائرہ سے خارج ہیں سائنس ان کے متعلق کچھ کہنا نہیں چاہتی۔ لیکن اگر فلاسفہ سائنس سے کوئی نتیجہ اخذ کرنا ہی چاہتے ہیں تو یہ حقیقت ناقابل انکار ہے کہ سائنس کی رہنمائی قدر کی طرف ہے اور وہ جبر اور مادیت کے قطعی مخالف ہے۔ اس کا مختصر ذکر ہم آئندہ چند سطروں میں کرینگے۔

وہ قانون جو طبیعی دنیا کے انفرادی واقعات پر یعنے جوہروں' الکٹرونوں اور کوانٹوں پر عاید ہوتے ہیں' اس امر کے متعلق کوئی پیش گوئی نہیں کرتے کہ کوئی فرد آئندہ کیا کریگا۔ یہ قانون بہت سی ممکنہ حالتوں میں سے ہر ایک حالت کا امکان (PROBABILITY) بتلاتے ہیں۔ بڑے پیمانہ والے واقعات کیلیئے جو دنیا میں روزمرہ ظاہر ہوتے ہیں آلات کی خطاؤں کی حدون کے درمیان پیش گوئی کی جا سکتی ہے' لیکن اس سے علّیت یا تعیّن کے نتیجے نہیں نکالے جا سکتے۔ کسی انسان کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آئندہ کسی خاص لمحہ میں اس کی حالت نمبر (۱) ہو گی یا نمبر (۲) البتہ اس قدر بتلایا جا سکتا ہے کہ حالت نمبر (۱) ہونے کا کیا امکان ہے اور نمبر (۲) ہونے کا کیا امکان ہے۔

اگر مادی دُنیا کو تعیّنی (جبری) بنانا ہے تو لازماً پہلے انسانی ذہن کو بھی جبری بنانا چاہیئے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ انسانی ذہن تو مختار رہے اور مادی دُنیا جبری ہو کیونکہ انسان آزادی کے ساتھ دنیا کی حالت کو اس طرح بدل سکتا ہے کہ ہر قسم کی پیش گوئی بے معنیٰ ہو جائے مثلاً اگر ہم آج یہ پیش گوئی کریں کہ فلاں مقام پر ایک سال کے بعد موسم اس طرح کا ہوگا تو یہ ضروری ہوگا کہ اس مقام کے گرد و پیش کی فضا جو اس وقت ہماری نظروں کے سامنے ہے اور جس کی بنا پر ہم نے موسم کا اندازہ لگایا ہے وہ ایکسال کے بعد بھی اسی حالت میں رہے' لیکن اگر کوئی انسان اس مقام کے قریب جنگل کو کاٹ دے یا جلائے تو سال بھر بعد اس مقام پر موسم اس طرح کا نہیں ہو گا جس کی ہم نے پیش گوئی کی تھی اس لئے

جیسا کہ ہم نے ابھی کہا ہے اگر انسانی ذہن کو مختار مان لیا جائے تو ناممکن ہو جاتا ہے کہ مادی دنیا کو جبری قرار دیا جائے۔ اس کے برعکس یہ بھی ناممکن ہے کہ مادّی دُنیا کو تو مختار مان لیں اور انسانی ذہن کو مقیّد کریں کیونکہ ذہن اپنے ارادہ سے جسم اور اشیا کی حرکتوں کو قابو میں رکھتا ہے۔ یہ تصور صریحًا مہمل ہوگا کہ جسم اور اشیا جو ذہن کے قابو میں رہتی ہیں وہ مختار اور آزاد ہیں اور خود ذہن جو ان اشیا کو قابو میں رکھتا ہے، مجبور اور مقیّد ہو جائے۔

اب ایک آخری صورت یہ غور طلب رہ جاتی ہے کہ انسانی ذہن اور مادی اشیا دونوں کو مجبور اور مقیّد سمجھ لیں۔ چند دنوں پہلے تک جبر اور مادّیت کے قائل علما کا خیال تھا کہ جو حرکتیں ہمارے ارادہ کے سبب سے واقع ہوتی نظر آتی ہیں وہ دراصل دماغ کے ذرّوں کی حرکتوں کے تابع ہیں چنانچہ اس کیلئے انہوں نے ایک میکانی دماغ (MECHANICAL BRAIN) کا تصوّر کیا جسکی مدد سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کیگئی کہ نہ صرف ہماری ارادی حرکتیں بلکہ خود ارادہ کے محرکات اور ارادہ بھی معیّن ہیں۔ لیکن اگر بالفرض ہم یہ مان بھی لیں کہ انسانی دماغ پر جس میں شعور بھی پایا جاتا ہے وہ طبیعی قانون استعمال کئے جا سکتے ہیں جو مادی دُنیا کیلئے صحیح ثابت ہوئے ہیں، تب بھی یہ استدلال اب غلط ہو جاتا ہے، کیونکہ ہائی زن برگ کے عدم تعیّن کے اصول کی بنا پر خود مادّی دنیا ہی میں جبر اور تعیّن کا اصول باقی نہیں رہتا۔

غرض کہ سائنسی تجربوں، مشاہدوں اور نظریوں کے جدید ترین نتیجے تقریبًا تمام بڑے سائنس دانوں کو اس مسلک کی طرف لا رہے ہیں کہ ہماری دنیا میں میکانی تعیّن اور مادّیت کی پرستش اب کسی طرح حق بجانب نہیں ہے، اور یہ کہ انسان اپنے اعمال میں خود مختار ہے۔

تقدیر شکن قوت باقی ہے ابھی اس میں ناداں جسے کہتے ہیں تقدیر کا زندانی

(اقبال)

یہ مختصر خاکہ اس مسئلہ کی اہمیت کی بنا پر یہاں پیش کر دیا گیا ہے۔ "اضافیت" کے سلسلہ کی دوسری کتاب میں اس پر تفصیل کے ساتھ بحث کی جائے گی۔

ڈاکٹر رضی الدین صدیقی

یاد ہے

بجلیاں اُن کا سرِ بالیں گرانا یاد ہے
یعنی حالِ دل پہ میرے مُسکرانا یاد ہے

یاد ہے اب بھی مجھے وہ دھوپ چھاؤں کا سماں
کاکُلِ مشکیں میں چہرے کو چھپانا یاد ہے

بندہ پرور آپکی شانِ تغافل کی قسم
یاد ہے ہاں آپ کا وہ بھول جانا یاد ہے

پھر سے تم آئندہ کا وعدہ کر تو جاتے ہو مگر
ڈوبتے تاروں کا مجھکو جھلملانا یاد ہے

حکم ہو جائے تو دہراؤں میں پچھلی داستان
ابتدائے عشق کا خونیں فسانا یاد ہے

کون تھا ماتم گُساروں میں محبت بعد مرگ
شمع تربت کا مگر آنسو بہانا یاد ہے

عظیم الدین محبت ام۔ اے (عثمانیہ)

دو شعر

تشریف آوری کا تہ دل سے شکریہ
میں آپکو گلے سے لگاؤں تو چاہیے

روشن ہوا نہ خانۂ دل آج تک کبھی
اس گھر میں اک چراغ جلاؤں تو چاہیے

محبت عثمانیہ

موجودہ ہندی زبانیں اور اُردو

اردو زبان لسانی اور علمی کئی اعتبار سے اس وقت ہندوستان کی تمام زبانوں میں چند ایسی خصوصیات رکھتی ہے، جن سے شاید یہ نتیجہ نکالنا غلط نہ ہوگا کہ آیندہ ہندوستان میں زیادہ سے زیادہ اہمیت حاصل کرتی جائیگی۔ گذشتہ چند سال سے ہندوستان کی عام زبان کے سلسلے میں جو بحثیں کھڑی ہوگئی ہیں، ان سے اُردو کی اہمیت میں اضافہ ہوتا جارہا ہے اور اسکے حقیقی خد و خال اور لسانی پہلو زیادہ سے زیادہ روشنی میں آنے لگے ہیں۔ قدیم زبان کی تحقیقات، اسی سلسلہ کی کڑی ہے۔

یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ہندوستان کی موجودہ تمام زبانیں خواہ ہند آریائی جیسے انڈک یعنے ہندی نسل کی ہوں یا دراوڑی، سب کی سب کسی نہ کسی حد و داراضی میں رائج ہیں عام خیال کے مطابق صرف اُردو اور ہندی دو زبانیں ایسی ہیں جو ہندوستان میں عام اور مشترک زبان کی ضرورت پوری کر رہی ہیں۔ اس سلسلے میں جذبات سے اسقدر کام لیا گیا ہے کہ، یہ مسائل پیچیدہ ہوگئے ہیں اور غلط اصول روز بروز اختیار کئے جارہے ہیں۔

ان میں سب سے پہلا مسئلہ ہندی اور اردو کے ناموں کا ہے۔ ہندی نام کی کوئی زبان درمیانی لسانی دور میں جسے پراکرتی دور کہتے ہیں، نہیں تھی۔ اس زمانے میں سنسکرت کی جو بگڑی ہوئی صورتیں تھیں ان کے چھ مشہور نام یہ ہیں۔

ہندی کا نام پہلے پہل مسلمانوں نے ہندوستان کی زبانوں کے لئے عام طور پر استعمال کیا۔ مسلمانوں کو جس زبان سے سب سے پہلے واسطہ پڑا، وہ قدیم پنجابی تھی۔ اسی پر فارسی کے اثرات سے تھوڑی بہت قواعد اور صوتی تبدیلیاں رونما ہونے لگیں۔ پھر جب مسلمان دہلی آئے، تو اس زبان کو ساتھ لے کر آئے، چنانچہ اس سے، فارسی اور برج بھاشا کے اثرات سے، موجودہ اردو بننے لگی۔ اردو کی اسی ابتدائی شکل کو لے کر وہ گجرات، دکن اور ادھر مشرق میں بنگال تک پہنچے۔ امیر خسرو جنہوں نے اس زبان کو پہلے پہل ادب میں استعمال کیا، اسے ہندی کے

نام سے موسوم کیا جس شکل سے یہ زبان فارسی کے ساتھ ملائی جاتی تھی، اس کی مناسبت سے کبھی اسکو ریختہ بھی کہا گیا ہے۔ لیکن ریختہ، زیادہ سے زیادہ، برج کے فارسی کے ساتھ پیوند لگانے کے طریقے کے لئے استعمال کیا گیا تھا۔ بعض وقت یہ اپنے اصلی نام برج بھاشا یا محض بھاشا کے نام سے بھی یاد کی گئی ہے۔ ادھر گجرات اور دکن میں جب یہ ادبی اغراض کے لئے استعمال ہونے لگی تو اسے گوجری اور دکھنی سے بھی موسوم کیا گیا۔ لیکن اس زبان کیلئے متبادل نام کے طور پر ھندی یا ہندی بھی استعمال ہوتا رہا۔

بارہویں صدی ہجری میں، جب دہلی کے شعراء نے اسے شاعری کے لئے استعمال کرنا شروع کیا تو کبھی دکھنی، کبھی ریختہ اور کبھی ہندی سے بھی موسوم کیا گیا۔ یہی تسمیۂ اس زبان کے اور بعد میں اس کے مشابہ یا مشتق زبانوں کے لئے ہو گیا۔

اس وقت بھی ہندی کا استعمال بہت غیر معین مفہوم میں ہوتا ہے۔ اس کا وسیع ترین استعمال اس نسل کے لئے ہوتا ہے جو ہند آریائی کی "انڈک" زبانوں کی تمام شکلوں پر حاوی ہے۔ اس طرح پنجابی، بنگالی، گجراتی مرہٹی، سب ہندی زبانیں ہیں۔

ایک دوسرا مفہوم اس کا ذرا محدود ہے۔ اس مفہوم میں، وہ تمام زبانیں داخل ہیں جو دوآبے کی زبان اور مغربی ہندی کے مشابہ یا مشتق ہیں۔ اس طرح اس میں مغربی ہندی اور برج بھاشا کے علاوہ کبھی کبھی پنجابی اور اودھی (مشرقی ہندی) بہاری اور بعض وقت راجستانی کی تمام شکلوں کو بھی داخل کر لیا جاتا ہے۔

ایک تیسرے اور زیادہ علمی مفہوم میں، یہ نام صرف دہلی اور متھرا کے اطراف کی زبانوں کے گروہ کے لئے مخصوص ہے جس میں مغربی ہندی، اودھی، اور ان کی تمام مماثل بولیاں آجاتی ہیں۔ اس حیثیت سے اردو بھی اس میں داخل ہو جاتی ہے

آخری مفہوم میں یہ نام اردو کی اس خاص شکل کے لئے استعمال ہوتا ہے، جس میں عربی اور فارسی کے الفاظ خارج کر کے، ان کی بجائے سنسکرت کے الفاظ داخل کئے گئے ہیں۔ اسی کو آج کل ہندی یا "اعلیٰ ہندی" کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔

نام کے اس لچکدار مفہوم کے سبب ارادی یا غیر ارادی پیچیدگیاں پیدا ہو گئی ہیں اور اس مسئلے پر جن علماء نے تحقیق کی ہے ان کے دو گروہ ہو گئے ہیں جو زیادہ تر یوروپی مستشرقین ہیں۔

پہلا گروہ جو ایک بڑی تعداد پر مشتمل ہے، اردو کی طرف مائل ہے۔ اور رسم خط کو ایک ثانوی چیز تصور کر کے، اس سبب سے کہ اس میں، عربی فارسی کے الفاظ کے شامل ہونے سے اسکی مقبولیت کی ضمانت ہو گئی ہے اس کو ہندوستان کی مشترک زبان سمجھا ہے۔ اور اسی مقصد کے لئے انہوں نے اس کا ایک ایسا نام بھی تجویز کیا جو شاید ان کے مفہوم کی وسعت کو ظاہر کر سکتا تھا۔ "ہندوستانی کے مفہوم میں انہوں نے ہندی کی اس شکل کو بھی داخل کر لیا ہے، جو بنیادی امور میں اردو سے مختلف نہیں ہے۔ مسلمانوں ہی کی طرح، اس گروہ کے ابتدائی لکھنے والوں نے اسے ہندوی کے نام سے بھی یاد کیا ہے۔ بعضوں نے اسے "موری" یعنے مسلمانوں کی زبان بھی لکھا ہے۔

دوسرے گروہ نے جس کی تعداد بہت تھوڑی ہے، اس مسئلے کو دوسرے رُخ سے دیکھا ہے۔ ہندی کے وسیع تر مفہوم میں اردو کو بھی داخل پا کر انہوں نے اسے ہندی کی ایک شاخ سمجھا ہے اور پھر اسی ہندی کو جسے وہ پہلے زیادہ وسیع مفہوم کے لئے استعمال کر چکے ہیں، جدید ہندی یا "اعلےٰ ہندی" سے ملا دیا ہے۔

ان میں کِلاگ خاص طور پر قابل ذکر ہے، وہ ہندی کو ہندوستانی زبانوں میں سب سے زیادہ اہم سمجھتا ہے لیکن اپنی یادگار "ہندی گرامر" میں اس نے زبان کی جس شکل کو بنیاد کے طور پر استعمال کیا ہے، اس کے متعلق اس کا اعتراف ہے کہ اس نے "عملی اسباب کی بنا پر" ہندی کی اس شکل کو بنیاد کے طور پر استعمال کیا ہے جو قواعد کی شکلوں میں اردو سے مطابقت رکھتی ہے کیونکہ کئی وجوہات سے، ہندی کی اسی شکل کی طرف، متعلم زبان سب سے پہلے اپنی توجہ منعطف کرتا ہے اور اسکے علاوہ، اس بولی کے سارے شمالی ہند کے ہندی علاقہ میں مشترک زبان کی حیثیت رکھنے اور عہدہ داران تعلیمات کے اسکو ہندی مدرسوں میں دیسی تعلیم کا ذریعہ بنانے کے باعث، یہ سب سے پہلے توجہ کی مستحق ہے۔[۵۱]

اس سے ظاہر ہے کہ وہ اردو اور ہندی میں کچھ فرق نہیں سمجھتا۔ جہاں اس نے دونوں میں قواعد کی شکلوں کے فرق کا ذکر کیا ہے[۵۲]۔ اس کے ذہن میں غالباً برج بھاشا تھی۔ کیونکہ اس نے تلسی داس کی رامائن اور کبیر کی قدیم متروک زبان کے بار بار حوالے دیئے ہیں۔

۵۱۔ ہندی گرامر مقدمہ ص۱۔ ۵۲ مقدمہ ص۱۳

برج بھاشا اور ہندی میں قواعد کی حد تک بہت فرق ہو گیا ہے۔ سب سے پہلے صفحہ پر اس نے اہلِ وطن کے جذبات کو مشتعل کرنے کی اس طرح کوشش کی ہے کہ ہندی زبان کے یہ اوصاف ہیں کہ

"وہ سب سے زیادہ وسیع بولی ہے، صرف ان مقامات میں جہاں مسلمانوں کا اثر عرصہ سے رہا ہے۔ اور بڑے شہروں میں اور اس وجہ سے کہ سرکاری دفتروں میں وہ تھا رائج رہی ہے، ہندوؤں نے اپنی دیسی بان کو آلودہ کرنا اور مفرس ہندی جو اُردو کہلاتی ہے استعمال کرنا سیکھا[۱] لیکن جب وہ آگے بڑھتا ہے اور عملی دقتوں کے سبب اس کا جوش کسی قدر ٹھنڈا پڑتا ہے تو لکھتا ہے کہ

"اکثر پردیسی، جنھوں نے ہندی میں کتابیں لکھی ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے خیال میں اردو سے فارسی اور عربی الفاظ کو نکال کر، ان کی جگہ سنسکرت الفاظ ٹھونسنے سے یہ مانوس بولی، خالص ہندی میں دفعتاً تبدیل ہو سکتی ہے۔ بظاہر اسی طرح، وہ عجیب وغریب اور عام خیال پیدا ہوا کہ ہندی کا کھرا پن اس معیار سے ناپا جانا چاہیئے جہاں تک کوئی مصنف، اپنی تحریروں سے عربی اور فارسی نسل کے الفاظ کو خارج کرنے میں پہنچ سکے۔ یہ کھرے پن کا ایسا معیار ہے جس کے لحاظ سے "رامائن" کا مصنف بھی ناکام رہتا ہے اور وہ ہی شاعر کبیر جو عربی اور فارسی کے الفاظ کا بے تکلف استعمال کرتا ہے، ہندی شاعر ہونے کے دعوے سے ہاتھ اُٹھالے لیکن اس معاملے میں دھوکہ جاتا رہا۔ جب ہم نے خیال کیا کہ ہم "خالص ہندی" کی طرح کی کوئی زبان استعمال کر رہے ہیں تو، دیہاتی ہمارے رعب دار الفاظ کو سن کر نقش حیرت بنے کھڑے رہے، کیونکہ ان میں سے اکثر الفاظ سے وہ یقیناً اردو کے عربی اور فارسی الفاظ سے بھی کم مانوس تھے۔"

اصل میں کلاگ کو ہندی کے لفظ سے انس معلوم ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ اس خالص بولی کو وہ مشترک زبان نہیں کہہ سکتا تھا۔ اسلئے، اس نے اردو کو بھی، ہندی کی ایک خاص شکل کے طور پر اس میں شامل کر لیا اور نہ صرف شامل کر لیا، بلکہ اپنی گرامر کا اسی کو قاعدہ بھی بنایا۔ اور فرق بتلانے کی ذمہ داری کو محسوس کر کے اس نے برج بھاشا کے اشکال کو بھی اس میں شامل کر لیا۔

یہ صحیح ہے کہ زندگی کے عام معاملات میں، زبان کا مفہوم محض رسم خط نہیں ہوتا۔ بلکہ زبان کی ہیئت

---

[۱] صفحہ ۱

11 2 09

اور قواعد ہوتی ہے۔ زبان ایک ہوسکتی ہے اور وہ مختلف رسم خط میں لکھی جا سکتی ہے جیسا کہ خود ہندی بولیوں کا حال ہے۔ اس لحاظ سے ہندی اور اردو میں کوئی فرق نہ ہونا چاہیئے۔

کِل لاگ بظاہر اسی بولی پر زور دینا چاہتا ہے جو "اعلیٰ ہندی" کے نام سے بھی موسوم ہے لیکن اس کی تعمیر جیسا کہ خود کِل لاگ نے اور دوسرے تمام لسانی علما نے بار بار بتایا ہے غلط اصول پر ہو رہی ہے اسلئے اسے وہ ملک کی مشترک زبان نہیں بتلا سکتا، اس کمی کو پورا کرنے کیلئے اردو کو بھی اس میں شامل کرنا پڑا۔ اور فرق بتلانے کے لئے قدیم برج بھاشا کی شکلوں کو جو تلسی داس کی "راماین" اور کبیر کی نظموں میں استعمال ہوئی ہے، شریک کر لیا گیا۔

لیکن ذراسی توجہ سے اس کی اور اس کے سارے ہم خیال علما کی غلط فہمی آشکار ہو جاتی ہے۔ وہ اس طرح کہ محدود ترین معنوں میں ہندی کی اصطلاح جس زبان کے لئے استعمال کی جاتی ہے، اس کے متعلق خود کِل لاگ نے وضاحت سے بتلا دیا ہے کہ وہ اردو سے زیادہ نا قابل فہم ہے۔ رہی برج بھاشا کی قدیم شکلیں جو اردو سے ہندی کا فرق ظاہر کرنے کیلئے بعض وقت استعمال کی جاتی ہیں، وہ اب عام اور معیاری زبان میں متروک ہیں۔ ان کے احیا کی توقع اسی طرح عبث ہے جس طرح سنسکرت کی قدیم شکلوں کو، جن میں واحد جمع کے ساتھ "تثنیہ" اور ہر نوع کے اسما کی حالتی آخری علامتیں مختلف ہیں اور جس کے جملوں کی ساخت میں ہر لفظ اپنی پوری کائنات سوائے اصل کے جو علامتوں اور تبدیلیوں کے اصول میں دب کر رہ جاتی ہے، بدل دیتا ہے۔

عوام اور بعض وقت علما بھی انہیں گتھیوں میں الجھ جانے کے سبب، زبانوں کو ایک دوسرے سے ٹکرانے کا باعث بنتے ہیں۔ کلاگ نے جہاں اس بات کا اعلان کر دیا کہ عربی اور فارسی الفاظ، ہندی زبانوں سے خارج نہیں کئے جاسکتے۔ کیونکہ ان کی بڑی تعداد اب ان زبانوں کی وطنیت کو قبول کر چکی ہے، اور اسکے ساتھ ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ قدیم برج کی شکل اب عام زبان کی حیثیت سے رائج نہیں کیجا سکتی نیز موجودہ اعلیٰ ہندی خود ہندوؤں کیلئے نا قابل فہم ہے تو گویا اس نے بالواسطہ طور پر مشترک زبان کے عام اور صحت بخش اصول معیّن کر دیئے۔ جو حسب ذیل ہیں۔

(۱) وہ ہندی جو وسیع تر معنوں میں برج بھاشا کی تمام شکلوں پر حاوی ہے ہندوستان کی مشترک زبان نہیں ہے۔

(۲) وہ ہندی جو محدود ترین مفہوم میں اردو سے عربی فارسی کے الفاظ خارج کرکے اور ان کی جگہ سنسکرت الفاظ کی قدیم شکلیں داخل کرکے مصنوعی طور پر اور تمام لسانی اصول کے خلاف تعمیر کی جارہی ہے ہندوستان کی مشترک زبان نہیں ہے۔

(۳) ہندوستان کی مشترک زبان عربی اور فارسی الفاظ سے بچ نہیں سکتی۔ ان خصوصیات کی حامل ظاہر ہے کہ اردو کے سوا کوئی اور زبان نہیں۔ اس کا ثبوت بعض اور علما جیسے ڈاکٹر سنوتی کمار چڑجی کی کتاب سے ملتا ہے جس میں انہوں نے یہ بتلایا ہے کہ مشترک زبان جو دہلی کی اطراف کی بولی سے اٹھی مسلمانوں کے ساتھ سارے ہندوستان میں پھیل گئی۔ لیکن کلاگ جیسے علما کو نام سے اختلاف ہوتا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے ذہن میں سب سے اہم رسم خط بن جاتا ہے حالانکہ یہ غلط اصول ہے۔ یا پھر ممکن ہے کہ وہ اردو کی اس خاص شکل کو پیش نظر رکھتے ہیں جس میں عربی اور فارسی الفاظ ضرورت سے زیادہ داخل ہوگئے ہیں اور جو اعلٰے ہندی کی مدمقابل اعلیٰ اردو ہے۔ یہ اور بھی غلط اصول ہے کہ کسی زبان کی ایک محدود شکل کو پیش نظر رکھکر اصل زبان کے متعلق حکم صادر کردیا جائے۔

ایک سوال یہاں یہ لازمی طور پر پیدا ہوتا ہے کہ اعلٰے ہندی کو اردو کی شکل کیوں سمجھا جائے؟ اس کا بڑا سبب یہ ہے کہ اعلٰے ہندی یا موجودہ ہندی اس طرح بنی ہے اس کے اولین مصنفین جیسے للو لال کوی اور سدل مسرا نے اس کو بنانے کے وقت برج بھاشا کو سامنے رکھ کر اس کی شکلوں اور قواعد میں ترمیم نہیں کی بلکہ رائج اردو سے عربی اور فارسی الفاظ خارج کرکے اسے گویا خالص بنانے کی کوشش کی۔ موجودہ ہندی کی یہی ابتدا ہے اس سے پہلے اسکی کسیقدر خالص شکل اگر کہیں ملتی ہے تو وہ تلسی داس کی شاعری ہے اور اس سے بھی پہلے یعنے چند کی نظم میں یہ زبان عبوری حالت میں تھی۔ برج بھاشا کا سب سے بڑا فرق اسما اور افعال کا "او" میں اختتام ہے۔ چند کی نظم میں جگہ جگہ پراکرتی اور کہیں کہیں سنسکرت شکلیں بھی استعمال ہوگئی ہیں۔ اسما اور افعال کی آخری علامت "ا" پنجابی اور اردو کی خصوصیت ہے جو بڑی حد تک فارسی صوتیات کے اثر سے بنی۔ اسکے علاوہ حرف صحیح میں ختم ہونیوالے الفاظ کے آخری حرف کا سکون ہے جو قطعاً فارسی صوتیات اور ایک حد تک رسم خط کی پیدا وار ہے۔ ہندی اگر وہ سنسکرت کی پیروی کرنیکی کوشش نہ کرے تو بالکل انہیں اصولوں کی تابع ہے

تنقید و تبصرہ

نقوش سلیمانی | رایل سائز صفحہ (۴۷۰) کاغذ کتابت، طباعت عمدہ مجلد۔ ناشر مکتبہ جامعہ۔ قیمت ہے ۱۲/ عثمانیہ مکتبہ جامعہ دہلی سے مل سکتی ہے۔ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی ناظم دار المصنفین کی تصنیف اور معارف پریس اعظم گڈھ میں طبع ہوئی ہے۔

گزشتہ پندرہ بیس سال میں اُردو زبان کی تاریخ اور تنقید سے متعلق جو کتابیں شائع ہوئی ہیں اسی سلسلہ کی یہ بھی ایک کڑی قرار دیجا جاسکتی ہے۔ اس میں مولانا کے خطبات، مقالات اور مقدمات شامل ہیں جو سب کے سب اردو زبان کی تاریخ اور تنقید سے متعلق ہیں۔

نقوش سلیمانی میں پانچ خطبات ہیں ان میں سے "ہندوستان میں ہندوستانی" اور "ہماری زبان بیسویں صدی میں" خصوصیت سے قابل تذکرہ ہیں، اول الذکر میں مولانا نے نہایت تفصیل کے ساتھ اس امر پر بحث فرمائی ہے کہ ہندوستان کی زبان "ہندوستانی" ہے۔ اس کی تمہید میں مولانا نے صراحت کی ہے کہ "میری تقریر کا مقصد سیاسی سوراج نہیں بلکہ زبانی سوراج ہے، آج کل بعض دوستوں نے "پنجاب میں اردو" اور دکن میں اردو" لکھی ہے اور ایک عزیز نے گجرات میں اردو" لکھنے کا فیصلہ کیا ہے، اسلئے ضرورت تھی غریب ہندوستان میں اردو کی داستان بھی کچھ سنائی جائے، خدا کے فضل سے اس میدان میں صوبۂ متحدہ پنجاب اور دکن کے علماء ادب نے اتنی تحقیقات کی ہے کہ آبحیات کا قصہ اب افسانہ ہو کر رہ گیا ہے۔"

مولانا نے اس خطبہ میں اس پر زور دیا ہے کہ اردو سندھ سے پیدا ہوئی۔ سندھ کی وادی کو ہماری متحدہ زبان کا پہلا گہوارہ تسلیم کیا ہے۔ یہ خیال اور فیصلہ اس حیثیت سے بالکل صحیح ہے کہ مسلمانوں کے قدم پہلے پہل سندھ ہی میں آئے، اور اردو زبان جو مختلف قوموں کی متحدہ کوشش سے ملکر بنی ہے

اس کا منبع سندھ ہی ہوسکتا ہے ۔ اس لئے یہ امر قابل تسلیم قرار دیا جا سکتا ہے۔ لیکن ماہرین لسانیات اسکو قبول نہیں کرتے ان کے خیال میں اگر اردو کی ابتدا سندھ سے ہوئی ہوتی تو اردو زبان میں عربی الفاظ کا ذخیرہ زیادہ ہوتا حالانکہ اس میں فارسی الفاظ زیادہ ہیں۔ بہرحال یہ ایک طویل بحث ہے۔

ثانی الذکر خطبہ ۱۹۳۶ء میں ایک ادبی مجلس کے صدارتی اڈریس کے طور پر لکھا گیا ہے ۔مولانا نے نہایت شرح وبسط کے ساتھ وضاحت سے "بیسویں صدی میں ہماری زبان" کے موضوع پر بحث فرمائی ہے اس موضوع پر جامعہ عثمانیہ کے ایک طیلسانی نے بھی ایم۔اے کا مقالہ "اردو ادب بیسویں صدی" کے نام سے لکھا ہے جسکو انجمن طیلسانئین نے شایع بھی کیا ہے ۔

اگر ان دونوں مقالوں کا مقابلہ کیا جائے تو سب سے اہم پہلو جو نظر آتا ہے وہ یہ ہے کہ مولانا نے نہایت فراغ دلی سے اپنے اور پرائے معلومات اور ان تحقیقات کا حوالہ دیا ہے جو دوسروں نے اس موضوع پر کی ہے ۔اس طرح مولانا کا مقالہ کافی ہمہ گیر اور زیادہ معلومات کا حامل ہے ۔اس کے برخلاف جامعہ عثمانیہ کے مقالہ نگار نے "اپنوں" کی تحقیقات کو بیان کرنا یا حوالہ دینا غالباً مناسب نہیں سمجھا ہے۔

"نقوش سلیمانی" میں پندرہ مقالے شامل ہیں ان کے منجملہ "ہوم لنگویج" "انڈیا آفس میں اردو کا خزانہ" "ھاشم علی برھان پوری کا مجموعہ مراثی" "بہار کے نوجوان اور ادب کی خدمات" "اردو کیونکر پیدا ہوئی" قابل ذکر مقالے ہیں۔

"ہوم لنگویج" میں مولانا نے ثابت کیا ہے کہ ہندوستان جس مرض کا بیمار ہے اس کا صرف ایک ہی علاج ہے اور "وہ ملکی زبان میں تعلیم ہے" "انڈیا آفس میں اردو کا خزانہ" اس لئے قابل تذکرہ ہے کہ اس مضمون کے باعث ہمدردان اردو کو یورپ کے اردو ذخیرہ کی اطلاع ہوئی اور اس کے بعد ہی لندن یونیورسٹی سے اُردو زبان کی ڈاکٹری کی ڈگری دی جانے لگی۔

"ھاشم علی کا مجموعہ مراثی" پر مولانا نے نہایت تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ دیوان "حسینی" کا تعارف کافی شرح وبسط سے فرمایا ہے' یہ دیوان دکھنی زبان میں ہے ۔اس کا ایک مکمل نسخہ اڈنبرا یونیورسٹی کے کتب خانہ میں بھی محفوظ ہے۔اس مقالہ سے یہ امر بھی واضح ہوسکتا ہے کہ اب شمالی ہند کے علما اور محققین بھی دکھنی ادبیات کے

قدردان ہو چلے ہیں۔

اُردو کیونکر پیدا ہوئی۔ اس مقالہ میں مولانا نے پھر اس امر کو ثابت کیا ہے کہ اردو سندھ میں پیدا ہوئی چنانچہ مولانا تحریر فرماتے ہیں۔ "مسلمان اور ہندوں کا میل جول جیسا کہ پہلے کہا گیا سب سے پہلے ملتان سے لے کر ٹھٹھہ تک سندھ میں اور پھر یہاں سے گجرات اور کاٹھیاواڑ تک ہوا ہوگا۔ اس میل جول سے جو زبان بنی اس کا پہلا نمونہ ہم کو سنہ ۷۶۲ھ میں فیروز شاہ تغلق کے عہد میں سندھ میں ملتا ہے۔ سنہ مذکور میں سلطان ٹھٹھہ پر ناکام حملہ کرکے جب گجرات جاتا ہے تو ٹھٹھہ والوں نے اس کو اپنے شیخ کی کرامت سمجھ کر کہا برکت شیخ بھیا اک موا ایک تھا"

یہ نہیں کہا جا سکتا کہ صرف سندھ میں یہ زبان سنہ ۷۶۲ھ میں مروج تھی کیونکہ اس کے قریب سنہ ۷۷۱ھ میں زین الدین خلد آبادی متوفی سنہ ۷۷۱ھ کا آخری کلام "منجہ مت بلاوہ" بھی مشہور ہے (دکن میں اردو صفحہ ۲۶) دونوں نمونوں کی ساخت ایک ہی پائی جاتی ہے اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ جو زبان سندھ میں بولی جاتی تھی وہی دکن میں مروج تھی۔ اس لئے ہنوز یہ امر تحقیق طلب ہے کہ کیا سندھ کو اردو کا منبع قرار دیا جائے یا شمال ہند یا پنجاب یا دکن کو۔

"مقدمہ نگاری" میں مولانا عبدالحق کافی طور پر شہرت رکھتے ہیں چنانچہ مولانا کے مقدمات دو ضخیم جلدوں میں شائع بھی ہو چکے ہیں۔ بیشک ایک زمانہ تھا کہ مولانا عبدالحق کے مقدمات درحقیقت معلومات کا خزانہ اور تحقیقات کا گنجینہ ہونے کے لحاظ سے قابل قدر ہوا کرتے تھے۔ اور کسی شخص کو ان کے خلاف دم مارنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ مگر اب یہ بات نہیں رہی جس طرح مولانا کے "مقدمات" پر تنقید ہونے لگی ہے اسی طرح دوسرے قابل اصحاب کے "مقدمات" اپنے موضوع پر جامع اور فاضلانہ قلمبند ہونے لگے ہیں۔ چنانچہ مولانا سید سلیمان ندوی کے مقدمات بھی نظر انداز نہیں کئے جا سکتے۔

"**نقوش سلیمانی**" میں دس مقدمات شامل ہیں۔ ان میں سے دو نثر کی کتابوں کے مقدمات ہیں اور آٹھ نظم کی کتابوں کے۔ اگرچہ مولانا سید سلیمان شاعر نہیں ہیں مگر سخن سنج اور سخن فہم کی حیثیت سے انہوں نے مقدمہ نگاری کا فرض ادا کیا ہے معلوم ہوتا ہے مولانا اپنے استاد کی نصیحت پر کاربند ہیں چنانچہ

خود سید صاحب "عطرِ سخن" کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں "مولانا محمد فاروق چریا کوٹی رحمتہ اللہ علیہ مولانا شبلی علیہ الرحمتہ کے استاد کل تھے۔ اور مجھے بھی ان سے عربی ادب و شعر اور منطق میں تلمذ کا فخر حاصل ہے۔ جب میں نے شروع شروع عربی میں شعر کہنا شروع کیا اور اصلاح کی غرض سے استاد کے سامنے پیش کیا تو فرمایا شعر کہنے سے شعر سمجھنا زیادہ مشکل ہے اس لئے خود شعر کہنے سے زیادہ دوسروں کے شعر سمجھنے کی مشق پیدا کرو۔ مولانا شبلی مرحوم بھی فرماتے تھے کہ سخن گوئی سے زیادہ سخن فہمی مشکل ہے"

معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب نے اپنے دونوں استادوں کے ارشاد پر عمل کر کے سخن فہمی کی عادت پیدا کی ہے جس کا بیّن ثبوت زیر بحث مقدمات سے مل رہا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ مولانا نے شعرا کے کلام کی جو تنقید اپنے مقدمات میں فرمائی ہے وہ نہایت صحیح اور واجبی ہے۔ ممکن ہے بعض اصحاب ان کو "مبالغہ" اور بیجا تعریف خیال کریں جیسا کہ "شعلہ طور" کے مقدمہ کے متعلق بعض اصحاب نے اپنی تنقیدوں میں خیال ظاہر کیا تھا لیکن انصاف سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کے مقدمات حقیقت پر مبنی ہیں۔

جن کتابوں پر سید صاحب نے مقدمہ لکھا ہے ان میں سے ایک ہمارے مشہور پرگو شاعر حضرت امجد کی "گلستانِ امجد" بھی ہے۔

اس تفصیل سے واضح ہو سکتا ہے کہ یہ مجموعہ درحقیقت قابلِ قدر اور اردو زبان کی تاریخ و تنقید میں کارآمد اور مفید رسالہ ہے اور اسکی اشاعت سے اردو زبان میں ایک بہترین کتاب کا اضافہ ہوا ہے۔ ن۔ھ

یورپ کے تاثرات

مولف۔ محمد بدرالدین خاں صاحب شکیب بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی (عثمانیہ) چھوٹی سائز (۱۹۰) صفحات کتابت اچھی کاغذ عمدہ قیمت عیم۔ ملنے کا پتہ۔ سید عبدالقادر اینڈ سنس تاجر کتب چار مینار حیدرآباد دکن

یورپ کے تاثرات کے نام سے اس امر کا وہم کہ ہوتا ہے کہ اس کتاب میں خود مصنف کے تاثرات یورپ درج ہونگے مگر ایسا نہیں ہے بلکہ جناب شکیب نے پچیس اصحاب کے بیانات کو اس مجموعہ میں پیش کیا ہے جن اصحاب کے بیانات پیش کئے گئے ہیں ان کے انتخاب کی وجہ مولف کے الفاظ میں حسب ذیل ہے۔

"میں نے صرف ایسے اصحاب کے بیانات حاصل کرنے کی کوشش کی ہے جو واقعاً اپنے دل میں قومی درد رکھتے ہیں۔ جنہوں نے یورپ کے حالات کا گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے اور جو ذہن و کردار کے لحاظ سے ملک کی قابلِ احترام ہستیاں ہیں۔ یہ حیدرآباد کے بہترین دماغ ہیں"۔

غرض حیدرآبادی مایہ ناز اصحاب کے خیالات کو اس مجموعہ میں بڑی محنت و کاوش سے جمع کیا گیا ہے۔

کئی دلچسپ عنوانات کے تحت یورپ کے تاثرات جمع کئے گئے ہیں ان میں بعض حسب ذیل ہیں۔

(۱) خصائل (۲) عورت (۳) سرمایہ (۴) مذہب (۵) سیاسیات (۶) تعلیم (۷) پبلک زندگی (۸) گھریلو زندگی (۹) مادّی ترقی۔

ان میں بھی سب سے زیادہ جن عنوانات پر اظہار خیال ہوا ہے وہ یوروپین اقوام کی قابلِ تقلید خصوصیات اور عورت یا آزادیٔ نسواں ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ سرورق پر یوروپی جنس لطیف کی نیم عریاں تصویر نظر آتی ہے جو مشرقی قدیم روایات کے منافی ہے۔

زیر نظر مجموعہ ملک کے نوجوانوں کے نام معنون کیا گیا ہے۔ ان کو اس کتاب میں یورپ کے حالات اور واقعات نہیں بلکہ زندگی کے نئے راستے معلوم ہونگے۔ یہ توقع بیجا نہیں کہ اس کے مطالعہ سے محکوم قوم کو

اپنی پستی کا صحیح احساس پیدا ہوگا۔ اس طرح کی کتابوں کی اردو میں جس قدر شدید ضرورت ہے اس پر زور دینا تحصیل حاصل ہے۔ جناب شکیب صاحب کی یہ قومی خدمت یقیناً استحسان کی نظروں سے دیکھی جائیگی۔

ہمارے خیال میں اس کتاب کے متعلق چند امور جو قابل غور قرار دیئے جا سکتے ہیں حسب ذیل ہیں۔

دیباچہ میں لایق مؤلف نے تحریر فرمایا ہے کہ تاثرات صرف حیدرآبادی اصحاب کے ہیں لیکن یہ امر تعجب سے خالی نہیں کہ اس میں ڈاکٹر سید حسین پروفیسر جامعہ کیلفورنیا اور علامہ عبداللہ یوسف علی صاحب کے تاثرات بھی موجود ہیں گو علامہ موصوف کے چند سالہ صدرالمہامی مال سرکار عالی کی حیثیت سے ان کے تاثرات شریک کئے جانے پر اعتراض نہ ہو لیکن ڈاکٹر سید حسین کو شریک کرنا اور پھر یہ دعویٰ کہ یہ حیدرآباد کے بہترین دماغ ہیں۔ کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے۔

فاضل مولف نے جن عنوانات پر خیالات اور تاثرات حاصل فرمائے ہیں ان کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ اس بات کے اہتمام کی ضرورت تھی کہ ہر عالم فن سے اسکے متعلقہ علم و فن کے متعلق تاثرات حاصل کیے جاتے یورپ کی صنعت و حرفت، مالیات، زراعت، تجارت، حمل و نقل، بنک کاری، امداد باہمی اور دیہی تنظیم وغیرہ جیسے مباحث پر جسکی وجہ سے یورپ نے ترقی حاصل کی ہے، تاثرات کی ملک کو بڑی شدید ضرورت ہے۔ ان امور سے قطع نظر جن اصحاب نے اپنے سفرناموں میں یورپ کے متعلق اظہار خیال کیا ہے ان کے انتخاب کی بھی اس مجموعہ میں زحمت گوارا نہیں کی گئی ہے۔

اس کتاب میں ایسے قابل اور ملکی افراد کو متروک کر دیا گیا ہے جو اپنی نمایاں حیثیت کے باعث خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ مثلاً نواب سالار جنگ بہادر، نواب ظہیرالدین خاں صاحب بہادر، بی اے (عثمانیہ) مولوی محمد میر خاں صاحب بیچ۔ سی ایس۔ مولوی مرزا حسین احمد بیگ صاحب بیچ۔ سی ایس، نواب شہید یار جنگ بہادر مولوی نصیرالدین صاحب ہاشمی، ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب پروفیسر فلسفہ جامعہ عثمانیہ، مسز سروجنی نائیڈو زہرہ بیگم بی اے (عثمانیہ) ایم اے (لیڈز) جہاں بانو بیگم نقوی ایم اے (عثمانیہ) بیگم زین یار جنگ وغیرہ

جناب مولف نے جن اصحاب کے تاثرات پیش فرمائے ہیں ان کے مختصر حالات زندگی بھی درج کیے ہیں۔ بہتر ہوا۔ لیکن ضرورت تھی کہ اس کو کافی توجہ اور زیادہ صحت کے ساتھ لکھا جاتا۔ مثلاً مسٹر جمال الدین کے متعلق لکھا گیا ہے کہ
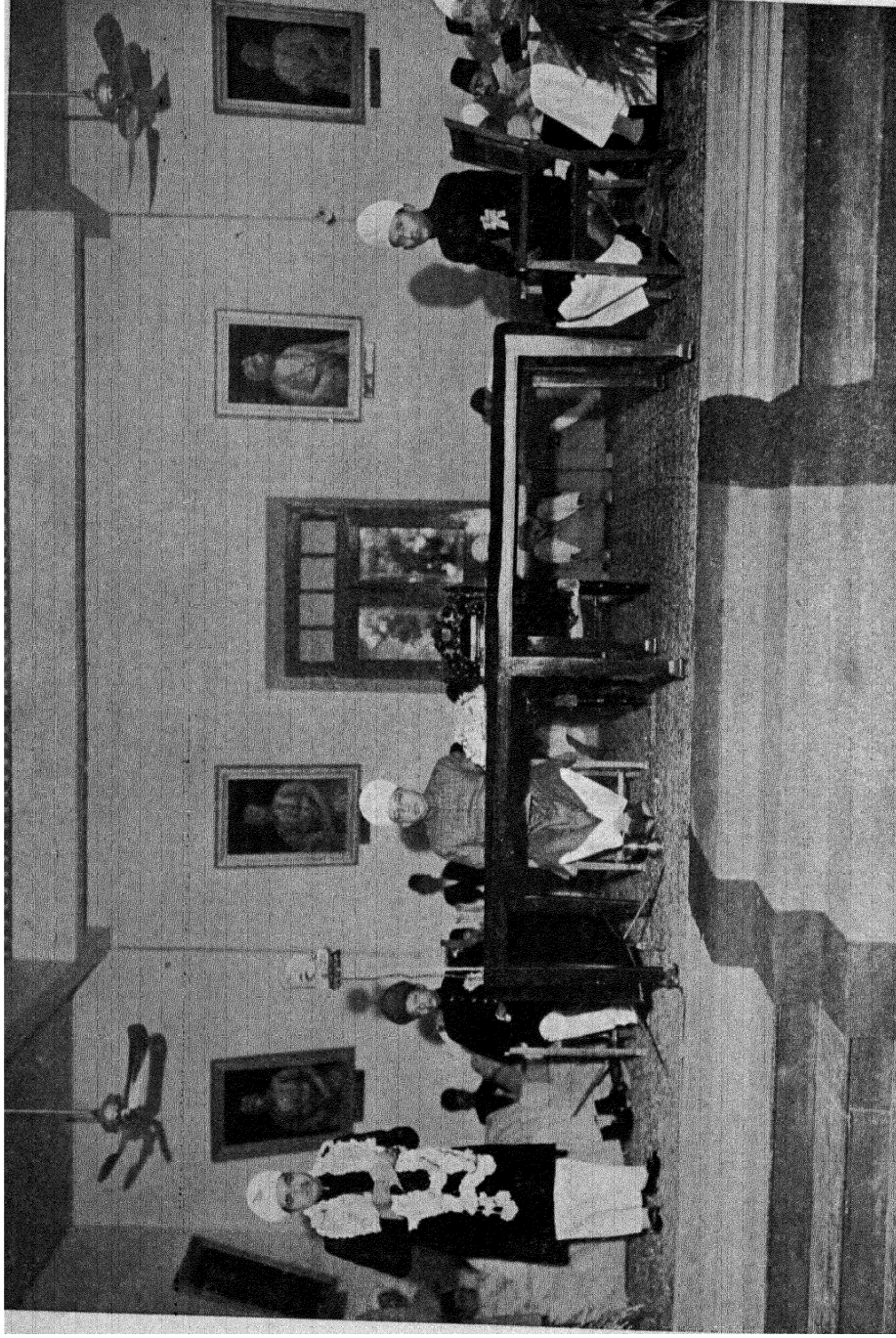
کانفرنس طیلسانین عثمانیہ ۱۳۵۰ ف کا افتتاح

۱۹۳۲ء میں بی اے کامیاب ہوئیں۔ یہ غلط ہے۔ خاتون موصوفہ کو انٹرمیڈیٹ کے بعد یوروپی وظیفہ عطا ہوا ہے۔ اسیطرح محترمہ صغرا ہمایوں مرزا صاحبہ کے متعلق تحریر کیا گیا ہے کہ موصوفہ دو مرتبہ یورپ تشریف لے گئیں ہیں۔ یہ صحیح نہیں ہے بلکہ آپ نے ایک ہی مرتبہ یورپ کی سیاحت فرمائی ہے۔

بہرحال ان خامیوں کے باوجود کتاب مفید اور دلچسپ ہے۔ دورحاضرہ میں اس قسم کی کتابوں کا مطالعہ نہایت فائدہ بخش ثابت ہوگا۔

"وشس"

علم خانہ داری | کراؤن تقطیع۔ ۱۵۲ صفحے، باتصویر۔ مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس۔ ناشر ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد دکن قیمت عہ

یہ مفید کتاب جو ابھی ابھی ادارہ ادبیات اردو کی طرف سے شائع ہوئی ہے گھر اور گھریلو امور پر ایک محترمہ خاتون محمودہ صدیقی نے مرتب کی ہے۔ اسکے ابواب پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے اس کتاب کی افادیت اور اہمیت کا اندازہ ہوسکتا ہے پہلا باب تو تمہیدی ہے دوسرے باب میں جسم انسانی، اعضا ان کی ساخت اور افعال پر نہایت سادہ اور سلیس انداز میں بحث کیگئی ہے تیسرے باب میں جسمانی صحت کے لوازم مثلاً غسل، لباس، جسمانی صفائی، آرام، نیند اور ورزش جیسے اہم امور کا تذکرہ ہے چوتھا باب زندگی کی ابتدائی اور اہم ترین ضروریات جیسے ہوا، پانی، غذا اور ان کے مفید اور مہلک اجزا سے بحث کرتا ہے۔ پانچواں باب گھر اور اسکی نگہداشت مقام، مکان کی تعمیر اور صفائی سے متعلق ہے۔ چھٹے باب میں عام امراض اور ان کی فوری روک تھام کے طریقوں کو وضاحت سے سمجھایا گیا ہے۔ ساتویں باب میں عام اور متعدی امراض جیسے خارش، داد، اسہال اور ان کے فوری علاج سے بحث کیگئی ہے آٹھواں باب بیماری داری اور فرسٹ ایڈ یعنی مریض کی فوری امداد سے متعلق ہے۔ نویں باب میں گھر کے انتظام مثلاً صفائی آرائش، آمد و خرچ کا حساب، پکوان، کفایت شعاری غرض ان تمام امور پر روشنی ڈالی گئی ہے جن کا جاننا گھر کی بیویوں پر فرض ہے۔

اس اہم موضوع پر ایک مختصر مگر تمام مباحث پر حاوی کتاب کی جسقدر ضرورت تھی ظاہر ہے۔ اردو میں اتنی مختصر کتاب میں اتنی زیادہ مفید معلومات ابتک لکھی نہیں ہوئی تھیں۔ اور سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ کتاب تالیف معلوم ہوتی ہے۔ ترجمہ یا خلاصہ نہیں ہے۔ حالانکہ اسکی ترتیب میں جیسا کہ مرتب نے لکھا ہے انگریزی ہی کی مستند کتابوں سے مدد لی گئی ہے۔ غیر زبانوں سے استفادہ کرکے اردو میں کتاب لکھنے کا یہ انداز قابل تقلید ہے۔

یہ کتاب ہماری لڑکیوں کی فوقانی جماعتوں کے نصاب کے لئے بہت موزوں ہے۔ اور امید ہے کہ یہ نصاب میں بھی شامل ہو جائے گی لیکن نصاب میں شامل نہ ہونے کی صورت میں بھی اس کی افادیت کسی طرح کم نہیں ہوسکتی تصویروں کے شامل کرنے سے کتاب کی افادیت اور بھی بڑھ گئی ہے۔

ادارہ ادبیات اردو اور محترمہ محمودہ صدیقی کی یہ کوشش نہایت مستحسن ہے۔ اور امید ہے کہ مدارس کی لڑکیاں اور گھر کی بیویاں سب اسکی قدر کرینگی۔

"م"

روداد آٹھویں کانفرنس سالانہ طیلسانئین عثمانیہ

منعقدہ حیدرآباد ۱۱ / ۱۲ / اسفندار ۱۳۵۰ف

از محمد عبدالعلی صاحب بی ایس سی۔ ال ال بی (عثمانیہ) معتمد کانفرنس

سال گذشتہ کی طرح اس سال بھی ارادہ تھا کہ کانفرنس کا انعقاد کسی ضلع میں ہو لیکن بعض نامساعد حالات کے مدنظر اس ارادہ کو تبدیل کرنا پڑا با آخر انجمن کی کابینہ نے اپنے اجلاس منعقدہ ۱۸ / بہمن ۱۳۵۰ف میں طے کیا کہ سال حال کانفرنس بلدہ حیدرآباد ہی میں ہو۔ راقم کو بحیثیت معتمد کانفرنس طیلسانی برادری کے خدمت کا موقع عطا کیا گیا۔ تاریخ انعقاد بہت قریب ہی رکھی گئی جس کے باعث کارروائیوں میں عجلت کرنی پڑی۔

مجلس استقبالیہ کے جلسہ منعقدہ ۲۱ / بہمن ۱۳۵۰ف میں دیگر عہدہ داران کانفرنس کے انتخابات عمل میں آئے باتفاق آرا صاحبزادہ میر وزیر علیخاں بی۔ اے ال ال بی (عثمانیہ) صدر مجلس استقبالیہ منتخب ہوئے صدر انجمن جناب راجہ رائے گروداس صاحب صدر کانفرنس قرار پائے۔ قلت وقت کو ملحوظ رکھتے ہوئے پوری سرگرمی کے ساتھ تیاریاں شروع ہوئیں اور حسب ذیل تین ذیلی مجالس بنائی گئیں۔

(۱) مجلس انتظامی جس کے اراکین کی فہرست علیحدہ دی گئی ہے۔

(۲) ڈنر کمیٹی معتمد جناب مولوی ریاض الحسن صاحب ہاشمی بی۔ اے ال ال بی (عثمانیہ)

اراکین (۱) رائے ہند کشور صاحب ماتھر بی۔ اے ال ال بی (عثمانیہ)

(۲) رائے رگھوبیر بلی صاحب بی۔ اے (عثمانیہ)

(۳) عبدالخالق صاحب بی۔ اے ال ال بی (عثمانیہ)

(۳) مشاعرہ کمیٹی معتمد سید ظہیر الدین صاحب بابر۔ بی۔ ایس سی۔ ال ال بی (عثمانیہ)

اراکین (۱) جمیل احمد صاحب فاروقی بی۔ ایس سی (عثمانیہ)

(۲) رائے مہندر راج صاحب سکسینہ یم یس سی (عثمانیہ)

(۳) محمد معین الدین صاحب یم یس سی (عثمانیہ)

علاوہ ازیں رضاکاران کی بھی ایک جماعت ترتیب دی گئی جسکی نگرانی کے فرائض جناب شام سندر صاحب نے انجام دیئے۔

افتتاح کانفرنس عالیجناب نواب سالارجنگ بہادر بالقابہ سے افتتاح کی درخواست کی گئی جسے ممدوح نے ازراہ علم دوستی شرف قبولیت بخشا۔

جلسہ افتتاحیہ بتاریخ ۱۱ اسفندار ۱۳۵۰ف یوم دوشنبہ بوقت ۴½ ساعت شام اجلاس کانفرنس کا آغاز ہوا اس وقت تک ٹاؤن ہال حاضرین سے معمور تھا جس میں طیلسانی برادری و طلبائے قدیم و جدید جامعہ عثمانیہ کے علاوہ امرا و جاگیرداران اکابرین ملک و عہدہ داران حکومت پروفیسران جامعہ عثمانیہ و معززین و ارباب صحافت شریک تھے۔

عالیجناب نواب سالارجنگ بہادر کے تشریف فرما ہونے پر صدر کانفرنس معتمد کانفرنس و اراکین استقبالیہ و اراکین کابینہ نے استقبال کا فرض انجام دیا۔ کرسئ صدارت پر رونق افروز ہونے کے بعد صدر کانفرنس نے نواب صاحب موصوف کی خدمت میں پھول پیش کئے اور حمد کے بعد جلسہ کی کارروائی شروع ہوئی۔

سب سے پہلے صدر مجلس استقبالیہ نے اپنا مختصر اور جامع خطبہ پڑھا بعد ازاں عالیجناب نواب صاحب نے خطاب افتتاحیہ ارشاد فرمایا جس کے اختتام پر راجہ رائے گرو داس صاحب نے خطبہ صدارت سنایا جس میں نہایت ہی خوبی اور وضاحت کے ساتھ وقت کے بعض اہم مسائل اور طیلسانیین کے فرائض اور ان کے لائحہ عمل سے بحث کی گئی تھی بعد ازآں کرسی صدارت کی جانب سے حسب ذیل تحریک عقیدت پیش ہوئی جسے حاضرین نے استادہ ہوکر بکمال ادب منظور کیا۔

تحریک عقیدت طیلسانیین عثمانیہ کی یہ کانفرنس خدام اعلیحضرت بندگانعالی سلطان العلوم مدظلہ العالی کی بارگاہ معارف گستر میں اپنی غیر متزلزل اور مستقل عقیدت مندی اور کامل وفاشعاری کا اظہار کرتی اور ملک کی ترقی اور مقاصد جامعہ عثمانیہ کی تکمیل پر ذات ہمایونی کی جو عمیق اور لازوال شاہانہ توجہ مبذول ہے

اس پر اپنی حقیقی سپاس گذاری کا اظہار کرتی ہے"۔

بعدازاں ہز ہائنس حضرت والاشان پرنس آف برار دام اقبالہٗ کے جامعہ عثمانیہ سے ال ال ڈی کا اعزازی طیلسان قبول فرمانے پر تحریک تبریک پیش کی گئی وہ حسب ذیل ہے۔

تحریک تبریک | "یہ کانفرنس جنرل ہز ہائنس والاشان پرنس آف برار مدظلہ العالی کی پیش گاہ عالی میں منجانب جامعہ عثمانیہ ال ال ڈی کا اعزازی طیلسان پیش کئے جانے پر عقیدت مندانہ اور وفا شعارانہ مبارکباد عرض کرنے کی عزت حاصل کرتی ہے"۔ اس کے بعد جناب مخدوم محی الدین صاحب یم اے عثمانیہ نے اپنی نظم سُنائی۔ بعدازاں اسی اجلاس میں جو تحریکات تعزیت منظور ہوئیں وہ حسب ذیل ہیں۔

تحریک تعزیت | (۱) یہ کانفرنس مہاراجہ سرکشن پرشاد یمین السلطنۃ آنجہانی جیسے عظیم المرتبت امیر اور مدبر کے انتقال پر اپنے عمیق جذبات اندوہ وملال کا اظہار کرتی ہے آنجہانی جامعہ عثمانیہ کے چانسلر اور انجمن طیلسانیین عثمانیہ کے پہلے سرپرست تھے آنجہانی کو اغراض انجمن سے ہمیشہ گہری دلچسپی اور ہمدردی رہی چنانچہ دوسری سالانہ کانفرنس طیلسانیین عثمانیہ کا بنفس نفیس افتتاح فرما کر حوصلہ افزائی فرمائی تھی۔ یہ کانفرنس آنجہانی کے اہل خاندان کو اپنی گہری ہمدردی کا یقین دلاتی ہے۔

تحریک تعزیت | (۲) یہ کانفرنس محترمہ لیڈی حیدری کے انتقال پر اپنے گہرے جذبات تاسف کا اظہار کرتی ہے مرحومہ نے حیدرآباد میں تعلیم نسواں کو عام کرنے اور مقبول بنانے کیلئے بڑی سعی و کوشش عمل میں لائیں یہ کانفرنس عالیجناب آنریبل نواب حیدر نواز جنگ بہادر اور دوسرے اہل خاندان سے اپنی گہری ہمدردی کا اظہار کرتی ہے۔

سالانہ رپورٹ انجمن | تحریکات کے بعد نماز مغرب کے لئے وقفہ دیا گیا اختتام پر جناب مولوی محمد غوث صاحب یم اے ال ال بی (عثمانیہ) معتمد انجمن طیلسانیین عثمانیہ نے انجمن کی سالانہ رپورٹ سُنائی اس کارروائی کے بعد انجمن کا جلسہ افتتاحیہ بحسن وخوبی اختتام کو پہونچا۔

عشائیہ | اُسی روز رات میں ساڑھے آٹھ بجے ڈنر ہوا جس کا انتظام نمائش کلب باغ عامہ میں کیا گیا تھا عالیجناب نواب کمال یار جنگ بہادر جو دولت ابد مدت حیدرآباد کے ایک ذی مرتبت امیر اعظم ہیں

طیلسانیین عثمانیہ کے مہمان خصوصی تھے نواب صاحب موصوف کے علاوہ عالیجناب نواب مہدی یار جنگ بہادر عالیجناب نواب مرزا یار جنگ بہادر عالی جناب قاضی محمد حسین صاحب نائب معین امیر جامعہ عالیجناب محمد عبدالرحمن خاں صاحب سابق صدر کلیہ جامعہ عثمانیہ عالیجناب ترمبک راج صاحب دیگر عہدہ داران حکومت و معززین شہر پروفیسران جامعہ عثمانیہ اور بہت سے طیلسانی برادرن نے عثمانیہ میں شرکت فرمائی۔ ڈنر کے بعد حسب تقاریر ہوئیں جن میں بعض ضروری مسائل پر روشنی ڈالی گئی اور اعلیحضرت بندگانعالی خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ و خاندادہ آصفی۔ مادر جامعہ عثمانیہ، طیلسانیین عثمانیہ۔ موجودہ طلبا، جامعہ نیز معزز مہمانوں کا جام صحت نوش کیا گیا۔

عثمانیہ کے اختتام پر مہمانوں کی تفریح و دلچسپی کے لئے پروفیسر گھوش کے کمالات کے مظاہرے کا انتظام کیا گیا تھا۔

اجلاس دوم و سوم۔ بروز شنبہ ۱۲ اسفندار سنہ ۵۵ ف صبح ۱۰ تا ۱۲ ساعت اجلاس دوم اور ۲ تا ۵ ساعت دوپہر اجلاس سوم جاری رہا جس میں تحریکات منظور کی گئیں تقاریر ہوئیں اور مقالے پڑھے گئے۔

"حیدرآباد میں حسن کاری کے امکانات" پر جناب سید محمد اکبر وفاقانی صاحب بی۔ اے' ال ال بی (عثمانیہ) وکیل ہائیکورٹ نے معلومات آفرین تقریر فرمائی۔

بعد از اں "جدید سائنس اور مادیت" کے عنوان سے جناب ڈاکٹر رضی الدین صاحب صدیقی پروفیسر جامعہ عثمانیہ نے ایک بلند پایہ اور مبسوط تحقیقی مقالہ پڑھا جو اس اشاعت میں ہدیۂ ناظرین کیا جا رہا ہے۔

جناب ایس کے سنہا صاحب - بی۔ اے (عثمانیہ) نے بہ عنوان "طیلسانیین اور حیدرآباد" اس امر کی صراحت کی کہ جامعہ عثمانیہ کے قیام سے حیدرآباد کو بالخصوص اور تمام ہندوستان کو بالعموم بے حد فائدہ پہنچا اور اس حقیقت پر زور دیا کہ انجمن طیلسانیین کے قیام اور کانفرنس کے سالانہ انعقاد کی حیدرآباد کی "پبلک لائف" بڑی حد تک رہین منت ہے۔

مقالے کے دوسرے حصہ میں مادر جامعہ طیلسانیین جامعہ اور کانفرنس کی موجودہ حیثیت اور افادیت سے بحث کی گئی ہے۔ اور تیسرے حصہ میں حیدرآباد کے مستقبل کے ساتھ طیلسانیین کے گہرے تعلق کو واضح کیا گیا ہے اور اسی طبقہ کو حیدرآباد کی تعمیر جدید کا ذمہ دار گردانا گیا۔

بعد ازآں مولوی حبیب احمد صاحب فاروقی بی۔اے، بی ٹی ایم ایڈ (عثمانیہ) نے پیشہ نمائی پر ایک دلچسپ اور معیاری مقالہ سنایا جسمیں آپنے اس امر کی وضاحت کی کہ پیشہ کے انتخاب میں معمولی سی لغزش عمر بھر کے لئے موجب پریشانی ہوجاتی ہے یہی وجہ ہے کہ نہ صرف نوجوان بلکہ اکثر عمر رسیدہ افراد بھی اپنے پیشہ سے شاکی نظر آتے ہیں۔

آپنے غلط انتخاب کے کئی اسباب گنائے۔ مثلاً یہ کہ بعض افراد کا پیشہ اُن کے گہوارے ہی میں متعین ہوجاتا ہے افتادِ طبع کے برخلاف ان لوگوں کو آبائی فن سیکھنا پڑتا ہے۔ بعض نوجوانوں کے لئے ان کے والدین یا سرپرست پیشہ کا انتخاب کردیتے ہیں جسمیں علی العموم شخصی رغبت و تنفر یا غلط فہمی کا دخل ہوتا ہے۔ بعض نوجوان خوش قسمتی سے اپنے مستقبل کے آپ مالک ہوتے ہیں لیکن وہ بھی ذاتی خواہشات کی بناء پر اپنی صلاحیتوں کا غلط اندازہ لگاکر غیر موزوں پیشہ چُن لیتے ہیں۔ اس طرح چند عام تصورات مثلاً یہ کہ ہر پیشہ میں کامیابی کا انحصار صرف محنت پر ہوتا ہے یا یہ کہ تمام افراد ہر پیشہ کے لئے مساوی صلاحیتیں رکھتے ہیں وغیرہ پیشہ کے انتخاب کے وقت غلط رہنمائی کرتے ہیں۔ اور عمر بھر کے لئے مصیبتوں کا سامنا ہوجاتا ہے۔

لیکن نفسیات کے جدید ترین شعبے "انفرادی اختلافات" نے اس قسم کی تمام دقتوں کا حل پیش کردیا ہے یہ ثابت ہوچکا ہے کہ کسی پیشہ کیلئے جن خصوصیات کی ضرورت ہے وہ سب افراد میں یکساں طور پر پائی نہیں جاتیں۔ البتہ موزوں افراد میں یہ خصوصیات معمولی افراد کی بہ نسبت کئی گنا زیادہ ہوتی ہیں۔ خود کسی خاص فرد میں بھی سب قابلیتیں مساوی سطح کی نہیں ہوتیں۔ اسکی کوئی مخصوص قابلیت دیگر قابلیتوں سے بڑھی چڑھی ہوسکتی ہے۔ یہی واقعہ دراصل "پیشہ نمائی" کی اساس ہے۔

پیشہ نما ماہر لڑکے کے مستقبل کے متعلق فیصلہ صادر کرنے سے پہلے وافر مواد فراہم کرلیتا ہے۔ والدین کی رائے کے قابلِ اعتماد حصے نوٹ کرلئے جاتے ہیں اُسکی جسمانی حالت اور تندرستی کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔ مدرسے کے ریکارڈ دیکھے جاتے ہیں۔ روزمرہ کے کام اور کھیلوں اور تفریحوں میں اُسکی دلچسپی کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ اسکے اخلاقی اور جذباتی و سماجی خصوصیات پر بھی نظر رکھی جاتی ہے۔ پھر بعض معیاری آزمائشات کے ذریعہ اُسکا درجۂ ذہانت معلوم کیا جاتا ہے مختلف پیشوں کیلئے جو درجۂ ذہانت درکار ہے اسکے جدول پہلے ہی سے مرتب کئے جاچکے ہیں اسطرح اس خاص لڑکے کا درجۂ ذہانت معلوم کرنے کے بعد یہ پتہ چلانا دشوار نہیں کہ اسکے لئے کونسے پیشے مناسب ہوسکتے ہیں۔ پھر "مخصوص قابلیتوں" کی آزمائش کیجاتی ہے جس سے معلوم ہوجاتا ہے کہ ان منتخب پیشوں میں سے کونسا خاص پیشہ اسکے لئے موزوں ترین ہے۔ اسطرح پیشہ نما ماہر کی امداد سے

وہی پیشہ اختیار کیا جاسکتا ہے جسکے لئے فطری صلاحیت ہوتی ہے ایسے پیشہ کے فرائض کی انجام دہی کبھی بار نہیں گذرتی ہے

تحریکات

کانفرنس کے اجلاسوں میں جو تحریکات منظور ہوئیں انہیں یہاں یکجا طور پر پیش کیا جاتا ہے

(۱) اس کانفرنس کو اس امر پر افسوس ہے کہ باوجود عام اور مسلسل مطالبہ کے اب تک اکثر دفاتر سرکاری میں زبان سرکاری اُردو سے مسلسل تغافل برتا جارہا ہے اس کے اثر سے ملک کے دوسرے کاروبار میں بھی ملک کی مشترک زبان نظرانداز ہوتی جارہی ہے یہ کانفرنس اس بات پر زور دیتی ہے کہ اب بلا تاخیر مزید دفاتر سرکاری میں انگریزی کا استعمال ترک کردیا جائے۔

(۲) یہ کانفرنس مملکت آصفیہ میں ایک سرکاری بنک کے قیام کا تہ دل سے خیرمقدم کرتی ہے اور ساتھ ہی اس بات پر زور دیتی ہے کہ جن ماہران فن کا تقرر عمل میں آئے ان کے شرائط تقرر میں یہ بات مقرر کردینا چاہیئے کہ وہ ایک مقررہ مدت کے اندر موزوں افراد ملک کی ٹرینگ کردیں نیز اس امر کا انتظام عمل میں آنا چاہیئے کہ بنک کے کاروبار ملک کی سرکاری زبان اُردو میں انجام پائیں اور بوقت تقررات طیلسانئین عثمانیہ کے حقوق مرجح قرار دیئے جائیں

(۳) یہ کانفرنس محسوس کرتی ہے کہ دفاتر سرکاری میں عام طور سے عمال اور خصوصاً طیلسانئین عثمانیہ کی حق تلفیوں کا سلسلہ برابر قائم ہے اور سرکار عالی سے استدعا کرتی ہے کہ ان حق تلفیوں کی تحقیقات کے لئے جلد ایک کمیشن مقرر کرے۔

(۴) اس کانفرنس کو افسوس ہے کہ ۷ سال سے کارروائی جاری رہنے کے باوجود اب تک جامعہ عثمانیہ کی مجلس رفقا اور دوسری مجالس میں طیلسانئین عثمانیہ کی راست نمائندگی کا کوئی انتظام نہیں ہوا۔ توقع ہے کہ جلد اس بارے میں کارروائی کی تکمیل ہوجائیگی۔

(۵) یہ کانفرنس اس امر کو ضبط تحریر میں لانا چاہتی ہے کہ ملازمین سرکاری کی ۵۵ سالہ عمر کی تکمیل کے بعد توسیع مزید کا سلسلہ برابر قائم ہے بلکہ بیرون ملک سے بھی وظیفہ یابوں کو لیا جاتا ہے نیز ایک سررشتہ سے وظیفہ یابی کے بعد اسی یا دوسرے سررشتہ میں تقرر عمل میں آجاتا ہے۔ تعلیمی معیار سے مستثنیٰ کرنے کی صورتیں پیش آتی ہیں اور بیرون ممالک محروسہ سرکار عالی کے خانگی اداروں کی تعلیمی اسناد کو

تسلیم کرنے کا سلسلہ بھی جاری ہے ضرورت ہے کہ ان سب امور کو ترک کردیا جائے تاکہ تعلیمیافتہ اصحاب اور بالخصوص ملکی طیلسانیین میں بے روزگاری وسعت نہ پاسکے۔

(۶) یہ کانفرنس والیان پائیگاہ امراء والیان سمستانات اور جاگیرداروں وغیرہ سے التماس کرتی ہے کہ وہ اپنے اپنے علاقوں میں علاقہ دیوانی کے وظیفہ یاب اصحاب کو مامور کرنے کے بجائے نوجوان اعلیٰ تعلیم یافتہ اصحاب کا تقرر فرمائیں تاکہ ہر جگہ کارکردگی کا معیار بلند ہوتا جائے اور طیلسانیین عملاً حصہ لے سکیں۔

(۷) یہ کانفرنس محسوس کرتی ہے کہ بعض سررشتہ جات کے اعلیٰ عہدہ داران جنکو حضرت بندگانعالی متعالی مدظلہ العالی کی یہ ہدایت ہے کہ موزوں ملکی اصحاب کی ٹریننگ عمل میں لائیں اب تک اس فرض سے سبکدوش نہیں ہوئے یہ کانفرنس حکومت سے استدعا کرتی ہے کہ جلدان عہدہ داران کو تعمیل احکام کی ہدایت فرمائے۔

(۸) یہ کانفرنس محسوس کرتی ہے کہ اصلاح معاشرت کے لئے جب تک قوانین نافذ نہ ہونگے معاشرت کی خرابیاں دور نہ ہونگی اگر اس کا اثر کسی جماعت پر پڑتا ہو تو اس کے نمائندوں کے آراء پر اسکو منحصر رکھا جائے۔

(۹) اس کانفرنس کی رائے میں یہ امر ضروری ہے کہ کسی کی شادی کو روکنے کے لئے بذریعہ قانون امتناع عمل میں لایا جائے اگر اس کا اثر کسی جماعت پر پڑتا ہو تو اسکو نمائندوں کے آراء پر منحصر رکھا جائے۔

(۱۰) اس کانفرنس کی رائے میں یہ امر باغراض ترقی و مدافعت ملک ضروری ہوگیا ہے کہ اس امر کی تحقیقات عمل میں لائی جائے کہ ممالک محروسہ سرکارعالی میں بڑی بڑی صنعتیں جیسے کہ موٹر سازی سیکل سازی او سامان حرب وغیرہ کی تیاری کے کہاں تک امکانات ہیں۔

(۱۱) یہ کانفرنس خیال کرتی ہے کہ دیہات سدہار سے متعلق جو عملہ اس وقت کام کررہا ہے اسکی رفتار سست ہے ضرورت ہے کہ اسکے کام میں برق رفتاری پیدا کی جائے اور غیرسرکاری تعاون زیادہ سے زیادہ حاصل کیا جائے۔

(۱۲) یہ کانفرنس اس امر پر زور دیتی ہے کہ سرکارعالی سررشتہ عدالت میں سیولین اصحاب کے تقررات روک دے تاکہ ال ال بی کامیاب شدہ اصحاب کو زیادہ مواقع ملیں اور موجودہ سیولین منصفین اور ال ال بی منصفین میں تنخواہوں کا جو فرق ہے وہ دور کردیا جائے۔

مولوی عبدالعلی صاحب بی۔ ایس سی۔ ایل۔ ایل۔ بی عثمانیہ
معتمد کانفرنس طیالسانین عثمانیہ ۱۳۵۰ ف

(۱۳) یہ کانفرنس اضلاع کے باشندوں سے درخواست کرتی ہے کہ دیہات اور قصبات میں صفائی اور حفظ صحت سے متعلق امور کی انجام دہی کے لئے غیر سرکاری بلدی ادارے قائم کریں۔

(۱۴) یہ کانفرنس سربرآوردہ وکلا سے التماس کرتی ہے کہ وہ اپنے پاس باضابطہ جونیر وکلا مقرر کریں اور ان کی ہر طرح حوصلہ افزائی عمل میں لائیں۔

(۱۵) یہ کانفرنس اس امر کی ضرورت محسوس کرتی ہے کہ بلدہ کے مختلف حلقوں میں سرکار اور بلدیہ کی جانب سے حسب ضرورت مطالعہ خانے قائم کئے جائیں جن میں ملکی زبانوں کے کتب و اخبارات بھی فراہم کئے جائیں۔

(۱۶) اس کانفرنس کی رائے میں اس امر کی ضرورت ہے کہ زیر ترمیم قانون بلدیہ میں دو نشستیں صرف طیلسانئین عثمانیہ کے لئے مختص کی جائیں، اور موجودہ قانون کی رو سے جو نشست مقرر ہے اسکے انتخاب کا انتظام انجمن طیلسانئین عثمانیہ کے سپرد کردیا جائے۔

(۱۷) اس کانفرنس کی رائے میں یہ امر ضروری ہے کہ جامعہ عثمانیہ کے فنی کلیات پر جو کثیر مصارف عاید ہوتے ہیں اسکے لحاظ سے ان میں مزید طلبہ کی تعلیم کا انتظام عمل میں لایا جائے۔

(۱۸) اس کانفرنس کی رائے میں سررشتہ تالیف و ترجمہ جامعہ عثمانیہ کے مطبوعات کو مقبول عام بنانے کے لئے یہ امر ضروری ہے کہ ان کی قیمتوں میں تخفیف عمل میں لائی جائے اور ارزاں طباعت کا انتظام عمل میں لایا جائے۔

(۱۹) یہ کانفرنس طیلسانئین عثمانیہ نے اس امر کو اطمینان کے ساتھ معلوم کیا کہ سررشتہ تالیف و ترجمہ جامعہ عثمانیہ کی جدید تنظیم عمل میں لائی جارہی ہے۔ اس کانفرنس کو حکومت سے توقع ہے کہ اب جبکہ ملک میں جامعہ عثمانیہ کے علمی فیضان کی وجہ سے طیلسانئین کی ایک ــــــ وافر تعداد موجود ہے ان سے کام لینے کے مواقع پیدا کئے جائینگے، اس کانفرنس نے اس خبر کو تشویش سے سنا کہ ترجمہ کا کام بیرون ملک کی بعض انجمنوں کے تفویض کیا جانے والا ہے یہ کانفرنس اسکے خلاف احتجاج کرتی اور حکومت سے خواہش کرتی ہے کہ ترجمہ اور اس قسم کے علمی ادبی کام خود اہل ملک سے لے۔

(۲۰) یہ کانفرنس محسوس کرتی ہے کہ انجمن ترقی اردو کو جن شرایط کے تحت حکومت کی جانب سے امداد دی جاتی ہے وہ شرایط پورے نہیں ہورہے ہیں، اور انجمن ترقی اردو طیلسانئین ملک سے کوئی خاطر خواہ کام نہیں [illegible] تصنیف میں عثمانیئین نے اپنے آپ کو اردو زبان اور ادب کی خدمت میں ہر طرح

نمایاں اور ممتاز کیا ہے۔ یہ کانفرنس حکومت سے خواہش کرتی ہے کہ انجمن ترقی اردو کو اس امر کا پابند کیا جائے کہ وہ اہلِ ملک سے زیادہ سے زیادہ کام لے۔ یہ کانفرنس حکومت سے اس امر کا بھی مطالبہ کرتی ہے کہ مدارس کے نصاب کی کتابوں کی ترتیب تالیف و تصنیف کا کام طیلسانیئین ملک ان کے اداروں سے لیا کرے۔

(۲۱) اس کانفرنس کی رائے ہے کہ ملک میں اسپورٹس اور مردانہ ورزش کا شوق بہت زیادہ ہمت افزائی کا مستحق ہے۔ اس سلسلہ میں کھیل کے میدانوں کی فراہمی، انعامات، کپ اور شیلڈ کی زیادہ سے زیادہ فراہمی کیلئے سرکار اور عوام دونوں کو مزید توجہ کرنی چاہیئے۔

(۲۲) اس کانفرنس کی رائے میں ضروری ہے کہ انجمن طیلسانیئن عثمانیہ کے ساتھ ایک کلب قائم کیا جائے جسکی عمارت انجمن کی ذاتی ملک ہو اور جو ارکان انجمن کے عطیوں اور چندوں سے تعمیر کی جائے۔ یہ کانفرنس کابینہ انجمن سے خواہش کرتی ہے کہ وہ اس مقصد کے لئے ایک ذیلی کمیٹی قائم کرکے اسکے تفویض جملہ انتظامات کرے۔

(۲۳) یہ کانفرنس حکومت سے خواہش کرتی ہے کہ غیر ملکی ال ال بی کامیاب اصحاب کو ملک میں پریکٹس کی اجازت نہ دے۔

(۲۴) یہ کانفرنس سررشتہ تحصیل معیشت کے کام کو ہنوز غیر اطمینان بخش خیال کرتی ہے اور حکومت سے خواہش کرتی ہے کہ اس سررشتہ کو اگر مفید بنانا ہے تو اس کی سفارشی نوعیت کو ختم کر دیا جائے اور دفاتر سرکاری کو اس امر کا پابند کیا جائے کہ دفتر تحصیل ملازمت و معیشت کے نامزد کردہ امیدواروں کو بلا تخصیص اپنے ہاں مامور کریں نیز یہ سررشتہ پیشہ ورانہ رہبری کے جدید ترین نفسیاتی طریقوں اور تجربات کا انتظام کرے۔

(۲۵) اس کانفرنس کی رائے ہے کہ ابتدائی جبری تعلیم کے متعلق کارروائی کی تکمیل بلا تاخیر ہونی مناسب ہے اور اس کا نفاذ کسی موزوں رقبہ میں حتی الامکان جلد کیا جائے۔

(۲۶) یہ کانفرنس اپنے گذشتہ اجلاسوں کی منظور شدہ تحریکات پر عملی توجہ کیلئے اربابِ متعلقہ کو مکرر توجہ دلاتی ہے۔

بعد ازاں صدر کانفرنس نے اختتامی تقریر فرمائی۔

شکریہ اجلاس سوم کے اختتام پر معتمد کانفرنس نے ارباب کانفرنس و حاضرین و شرکاء کار کے تعاون عمل اور اظہار دلچسپی کے اعتراف کے لئے حسب ذیل تقریر کی:۔

جناب صدر و معزز حاضرین و طیلسانی برادران! بحیثیت معتمد کانفرنس میرا خوشگوار فریضہ ہے کہ آپ حضرات کی تشریف آوری کا شکریہ ادا کروں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ ہدیۂ تشکر ہرگز رسمی نہیں ہے انعقاد کانفرنس کی تیاریاں تقریباً پندرہ یوم کے قلیل عرصہ میں بعجلت ممکنہ تکمیل پائی ہیں تنگی وقت کے باعث دشواریاں ضرور پیش آئیں مگر میرے شریک کار بھائیوں کی امداد سے یہ دشواریاں آسان ہو گئیں اور بہ فضل ایزدی یہ کانفرنس کامیابی کے ساتھ اختتام کو پہونچی۔

سب سے پہلے عالی جناب نواب سالار جنگ بہادر کی خدمت میں جذبات تشکر و ممنونیت کا اظہار کرنا میرے لئے باعثِ عزت ہے نواب صاحب موصوف کی علم دوستی کا بین ثبوت ہے کہ بے حد مصروفیتوں کے باوجود آپ نے افتتاح کانفرنس کی درخواست قبول فرمائی۔

ہمارے مہمان خصوصی نواب کمال یار جنگ بہادر کی ازراہ نوازش کانفرنس کی میقات میں شرکت فرمانا ہمارے لئے باعث منت ہے۔

جناب صدر! یہ کانفرنس آپ کی رہین منت ہے کہ آپ نے اپنی والدۂ محترمہ کی علالت کے باوجود طیلسانی برادری سے اپنے رشتۂ اخوت کا ثبوت دیا اور کانفرنس کے جلسوں میں بحیثیت صدر شرکت فرمانے کے علاوہ وقتاً فوقتاً قیمتی مشوروں سے بھی ہماری رہبری کرتے رہے۔

جناب صاحبزادہ میر وزیر علی خاں صاحب صدر استقبالیہ ازابتداء تا انتہا کانفرنس کی سرگرمیوں میں عملاً حصہ لیتے رہے ان کے تعاون اور خلوص نے میری ذمہ داریوں کے بار کو ہلکا کر دیا تھا اس لئے آپ کا شکریہ ادا کرنا میرے لئے بے اندازہ دلی مسرت کا باعث ہے۔

ہمارے محترم کرم فرما میر اکبر علیخاں صاحب بیرسٹر کا شکریہ ادا کرنے کیلئے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں آپ نے حقیقی معنوں میں ہماری ہر طرح رہنمائی فرمائی ایسے مواقع پر جب کہ ہماری دشواریاں حد سے تجاوز کر جاتی تھیں آپ اپنا دست امداد بڑھا دیتے تھے اور وہ سب کچھ ہو جاتا تھا جس کی ہم کو ضرورت ہوتی تھی اس کانفرنس کی کامیابی کا سہرا حقیقی معنوں میں آپ ہی کے سر ہے۔ میرے شرکا کار اور طیلسانی برادری آپ کا پر خلوص شکریہ ادا کرتی ہے۔ نواب میر احمد علی خاں صاحب انجمن کے قدیم اور مخلص ترین رکن ہیں

آپ کی رہنمائی اور اصابت رائے سے ہم کو وقتاً فوقتاً بہت کچھ مدد ملتی رہی اس لئے میں آپ کا بیحد ممنون ہوں۔

مجبی مولوی محمد غوث صاحب کی کارگذاریوں اور بے لوث خدمات کے ذکر کے لئے کئی صفحات درکار ہیں آپ جس خلوص اور انہماک سے انجمن طیلسانیین عثمانیہ کی معتمدی کے فرایض انجام دیر ہے ہیں وہ توصیف و تحسین سے بالاتر ہیں اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود آپ کانفرنس کی سرگرمیوں میں ہمہ تن مصروف رہے آپ کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے میں اظہار تشکر کرتا ہوں۔

انعقاد کانفرنس کے سلسلہ میں جناب خواجہ معین الدین صاحب انصاری معتمد باب حکومت سرکار عالی کے ہم رہین منت ہیں کہ آپ نے ٹاؤن ہال میں اجلاس منعقد کرنے کی اجازت حاصل فرمانے کے علاوہ ضروری سامان وفرنیچر وغیرہ توشک خانہ عامرہ سے حاصل کرنے کی ازراہ عنایت اجازت عطا فرمائی۔

مجلس نمایش نے احاطہ نمایش میں داخلہ کے سلسلہ میں مراعات عطا فرمائے اس کے لئے میں ممنون ہوں نیز ارکین نمایش کلب کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے ڈنر کے لئے اپنے کلب کے استعمال کی اجازت عطا کی۔

میں صحافتی اداروں کے تعاون وخلوص کا نہایت ہی مسرت کے ساتھ اعتراف کرتا ہوں حقیقت یہ ہے کہ کانفرنس کی کامیابی کا انحصار بہت کچھ اہل صحافت کے اشتراک عمل پر ہے۔

مجلس استقبالی ان تمام حضرات کی بھی رہین منت ہے جنہوں نے اپنے گراں قدر عطیات سے یا چندہ استقبالیہ سے اس کی مالی مشکلات بڑی حد تک رفع فرمائیں۔

اپنے شریک کار کا شکریہ ادا کرنا اپنی آپ ستایش کرنے کے مترادف ہوگا۔ انہوں نے اپنی مصروفیتوں کو خیرباد کرکے میری امداد فرمائی۔

یہ اصحاب مستحق شکریہ ومبارکباد ہیں ان کی مخلصانہ خدمات ہی کانفرنس کی کامیابی کا باعث ہوئیں اس میں میں مکرمی سید ظہیرالدین احمد صاحب بابر معتمد مشاعرہ ومولوی ریاض الحسن صاحب ہاشمی معتمد عشائیہ وجمیل احمد صاحب وشام سندر صاحب کا بالخصوص شکریہ ادا کرتا ہوں"۔

مشاعرہ | اسی روز رات کے ۹ بجے بمقام ٹاؤن ہال باغ عامہ مشاعرہ کا آغاز ہوا جس کی خصوصیت یہ تھی کہ
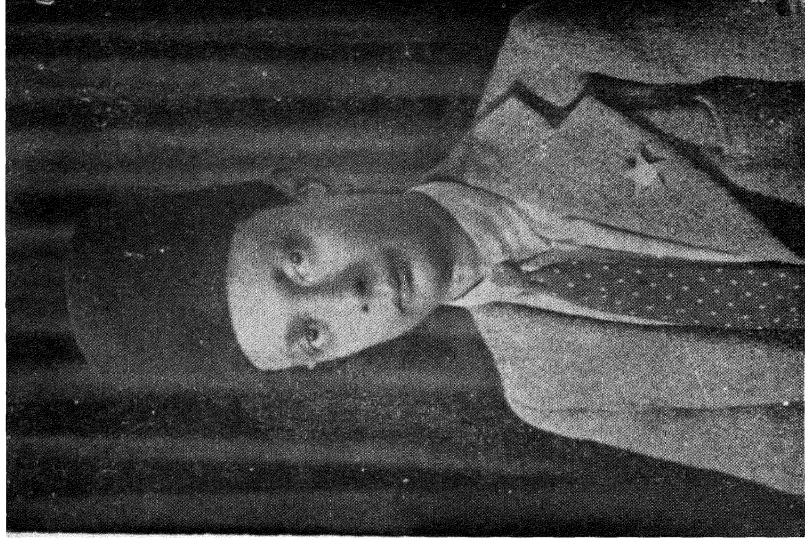
صاحبزادہ میر وزیر علیخاں صاحب بی-اے-ال ال-بی عثمانیہ
ناظم اعزازی فوجداری بلدہ
صدر مجلس انتظامی و استقبالیہ
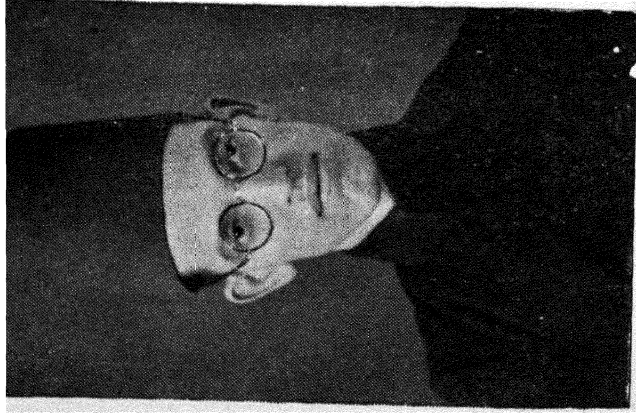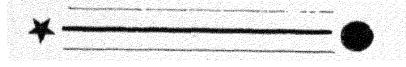
محمد شرف الدین صاحب بی-اے عثمانیہ
معتمد مجلس نمائش معاشی کمیٹی
انجمن طیلسانین عثمانیہ ۱۳۵۰ف

روایات قدیم کے برخلاف کوئی میر مشاعرہ نہ تھا۔ اس جدت کو عام طور پر پسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھا گیا مشاعرہ میں حضرت امجد نے اپنے حکیمانہ کلام سے جان ڈالدی تھی اس کے علاوہ جامعہ عثمانیہ اور حیدرآباد کے ممتاز نوجوان شعراء نے اپنا کلام سُنا کر محفل سے خراج تحسین حاصل کیا ان شعراء میں مخدوم باقی عابد مہندر راج سکسینہ ڈاکٹر رگھونند راج سکسینہ جمیل ۔ نظیر ۔ سعید محبت اور بابر (معتمد مشاعرہ) وغیرہ قابل ذکر ہیں جناب دہقانی نے بھی اپنے مخصوص رنگ میں پُر لطف نظمیں سنائیں ساڑھے بارہ بجے معتمد مشاعرہ کے تشکریہ کے بعد یہ دلچسپ صحبت ختم ہوئی۔

اس طرح کانفرنس کی جملہ کارروائیاں اور مصروفیات بفضل ایزدی تکمیل کو پہونچیں اس رویداد کو ختم کرتے ہوئے میں انجمن طیلسانیین عثمانیہ کی مزید ترقیوں اور آیندہ شاندار کاموں کے متعلق بہترین توقعات رکھتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اس انجمن کو ملک و مالک کے زیادہ سے زیادہ خدمت کرنے کے مواقع ملتے رہیں۔ آمین!

فہرست اسماء اراکین مجلس انتظامی کانفرنس طیلسانیین عثمانیہ بابتہ ۱۳۴۵ ف

(۱) صدر استقبالیہ ۔ صاحبزادہ مولوی میر وزیر علی خاں صاحب بی اے ال ال بی عثمانیہ ناظم اعزازی فوجداری بلدہ (۲) معتمد ۔ مولوی محمد عبدالعلی صاحب بی ایس سی عثمانیہ (۳) معتمد ڈنر ۔ مولوی ریاض الحسن صاحب ہاشمی بی اے ال ال بی عثمانیہ وکیل ہائیکورٹ (۴) معتمد مشاعرہ مولوی سید ظہیر الدین احمد صاحب بابر بی ایس سی ال ال بی عثمانیہ رکن

اراکین

(۵) نواب میر اکبر علیخاں صاحب بیرسٹرایٹ لا (۶) نواب میر احمد علیخاں صاحب ایم اے ال ال بی عثمانیہ
(۷) مولوی محمد غوث صاحب یم اے ال ال بی عثمانیہ (۸) مولوی جمیل احمد صاحب فاروقی بی ایس سی عثمانیہ
(۹) مولوی محمد یوسف الدین صاحب بی اے عثمانیہ (۱۰) مولوی شمشیر علی صاحب بی ایس سی عثمانیہ
(۱۱) شنکرجی صاحب بی اے ال ال بی عثمانیہ (۱۲) رائے رگھو بیر بڑی صاحب بی اے عثمانیہ رکن مجلس بلدیہ
(۱۳) رائے ہند کشور صاحب بی اے ال ال بی عثمانیہ وکیل ہائیکورٹ (۱۴) رائے پریم راج صاحب بی ایس سی عثمانیہ۔
(۱۵) محمد معین الدین صاحب یم ایس سی عثمانیہ

خطبۂ استقبالیہ کانفرنس طیلسانیین عثمانیہ

صاحبزادہ میر وزیر علی خاں صاحب بی۔اے ال ال بی ناظم اعزازی فوجداری بلدہ

معزز خواتین و حضرات! خدائے بزرگ و برتر کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آج ہم سب یہاں ایک ایسی جماعت کی آٹھویں سالگرہ منانے کیلئے جمع ہوئے ہیں جسکے عظیم الشان کارناموں کی دھوم مچی ہوئی ہے۔ہندوستان کے طول و عرض میں آپ کو کسی جگہ ایسی جامعاتی فارغ التحصیل اصحاب کی منظم جماعت نہیں ملیگی جو نہ صرف اپنی برادری کے اتفاق و اتحاد کی کڑیوں کو مضبوط کرتے ہوئے ملک کی معاشی و معاشرتی بنیادوں کو مستحکم کرنے کی کوششوں میں سرگرم عمل ہے بلکہ پبلک کو بھی اپنے اعتماد میں لے چکی ہے۔اس سے میری مراد انجمن طیلسانیین عثمانیہ کے وہ ملحقہ ادارے ہیں جو عثمانیہ بلدی جماعت، معاشی کمیٹی اور جماعت اتحاد و ترقی کی شکل میں منظر عام پر آچکے ہیں۔اوّل الذکر ادارہ بلدی امور سے متعلق ہے جو پارٹی سسٹم (جماعتی اصول) پر مجلس بلدیہ میں کام کرتا ہے اس کا حلقہ واری نظام کامیابی کے ساتھ قائم ہے۔ثانی الذکر جماعت قوم کی معاشی سدھار اور ملکی صنعتوں کو فروغ دینے میں ہمہ تن مصروف ہے اور ملکی مصنوعات کی نمائشیں نہایت کامیابی کے ساتھ منعقد کر رہی ہے اس ادارہ کا مستقبل نہایت شاندار ہے۔جماعت اتحاد و ترقی بھی حیدرآبادی قومیت کی بنیادوں کو مستحکم کرنے میں منہمک ہے۔

مجلس استقبالیہ اور ساری طیلسانی برادری دلی مسرت کے ساتھ عالیجناب معلی القاب نواب سالار جنگ بہادر بالقابہٗ کے خیر مقدم کا شرف حاصل کرتی ہے اس سلطنت ابد مدت کے تعلیمیافتہ نوجوانوں کی سرگرمیوں سے نواب صاحب کی گہری دلچسپی کا بین ثبوت یہ ہے کہ آپنے اس کانفرنس کے افتتاح کی درخواست کو از راہ مرحمت و مکرمت قبول فرمایا۔نواب صاحب ممدوح مملکت آصفیہ کی ہمہ جہتی فلاح و بہبود کا ہمیشہ خیال فرماتے رہے ہیں۔ نواب صاحب معز مملکت حیدرآباد کے اس والا تبار خاندان کے چشم و چراغ ہیں جو کیا بلحاظ امارت اور کیا

بہ لحاظ خدمت ملک و مالک آسمانِ سعادت پر آفتاب کی طرح درخشاں ہے اس خاندان کو یہ بھی امتیاز حاصل ہے کہ
اسکے کئی بلند مرتبت افراد نسلاً بعد نسلٍ مسند آرائے وزارت ہوئے اور ملک و قوم کی تعمیر میں ان کا بہت بڑا
حصہ ہے انھوں نے ماضی اور حال میں ایسے شاندار کارنامے یادگار چھوڑے ہیں جنہیں کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا
نواب مختار الملک مرحوم کی بیدار مغزی اور تدبر ہی نے اس سلطنت کے سیاسی اور انتظامی قالب میں نئی روح
پھونکی تھی اور اب بفضل ایزدی اعلیحضرت بندگانعالی نواب میر عثمان علیخاں مدظلہ العالی کے زیر سایہ ھمایونی بام
ترقی پر پہنچی ہوئی ہے۔

محیئی جناب رائے گروداس صاحب! آپ حیدرآباد کے ایک قدیم معزز گھرانہ سے تعلق رکھتے اور
کئی پشت سے وابستگان آصفیہ میں شامل ہیں۔ جاگیردار ہونے کے ساتھ آپ مادر جامعہ کے اُن فارغ التحصیل
نوجوانوں سے ہیں جنہوں نے ملک و مالک کی خدمت کو اپنا مقصدِ حیات قرار دیا ہے۔ آپ قیام انجمن طیلسانیین
سے انجمن کا ہر حالت میں ساتھ دیتے رہے نہ صرف انجمن کے کابینہ کے رکن رہے بلکہ نائب صدر بھی اور اسی اسٹیج
سے آج سے چار سال قبل ایک بلیغ خطبہ استقبالیہ سے پبلک پر اپنے زرین خیالات کا اظہار فرما چکے ہیں۔
اس کے علاوہ عثمانیہ بلدی جماعت کے صدر کی حیثیت سے بھی بلدی معاملات میں کافی دلچسپی کا اظہار فرمایا۔
اسی جماعت کی دوسری سالانہ کانفرنس میں آپ نے بحیثیت صدر مجلس استقبالیہ پُر از معلومات خطبہ سنایا تھا۔
معاشی کمیٹی و جماعت اتحاد و ترقی میں بھی آپ اپنی دلچسپیوں کا اظہار فرماتے رہے ہیں۔ انجمن طیلسانیین عثمانیہ
اور اس کے ملحقہ اداروں کے علاوہ آپ مجلس جاگیرداران کے بھی سرگرم رکن ہیں دس سال سے آپنے جو خدمات
مجلس مذکور کے انجام دیئے ہیں اُن کی بناء پر اب آپ مجلس جاگیرداروں کے عہدۂ معتمدی پر دو سال سے فائز ہیں
آپ جسقدر جوش کے ساتھ طیلسانیین عثمانیہ اور پبلک کی خدمت میں منہمک رہتے ہیں اُوسی جوش کے ساتھ آپ
مجلس جاگیرداران کی بھی خدمت کرتے ہیں۔ میں آپ کا پُر خلوص خیر مقدم کرتا ہوں اور اُمید کرتا ہوں کہ آپ
اپنی صدارت کے زمانہ میں انجمن کے وقار کو بڑھانے کی کوشش بلیغ فرمائینگے۔

معزز طیلسانی برادران! آپ کا شکریہ کس زبان سے ادا کیا جاسکتا ہے سچ پوچھئے تو یہ سب کچھ
مظاہرہ آپ ہی کے تعاون عمل کا نتیجہ ہے۔ اگر آپ اپنی شرکت سے اس ادارہ کو مستحکم نہ فرماتے تو تو یہ دن ہمکو

کہاں نصیب ہوتا کہ ہم آج اپنے ادارہ کی آٹھویں سالگرہ منانے کے لئے جمع ہوتے۔ اور عثمانیہ بلدی جماعت معاشی کمیٹی اور جماعت اتحاد و ترقی قائم کرنے کے مواقع حاصل ہوتے اور ملک و مالک کی خدمت کا موقع مل سکتا۔ میں آپ کا پُرخلوص خیر مقدم کرتے ہوئے ملتمس ہوں کہ آپ اپنے تعاون عمل کو اس کے ساتھ اور زیادہ کردیں مجھے ان غیر طیلسانی بھائیوں کا بھی شکریہ ادا کرنا ہے جنکا اشتراک عمل شامل حال نہ ہوتا تو ہماری اسکیمیں اور تخیلات کاغذ پر ہی رہ جاتے۔ عثمانیہ بلدی جماعت، معاشی کمیٹی اور جماعت اتحاد و ترقی آپ کے اشتراک عمل کی رہین منت ہے۔ میں آپ کا پرخلوص خیر مقدم کرتا ہوں اور توقع ہے کہ ہمارے ساتھ آپکی ہمدردیوں میں روزافزوں اضافہ ہوتا رہیگا۔

برادرانِ قوم! اگر سمع خراشی معاف فرمائی جائے اور مجھے اجازت دیجائے تو کچھ ضروری امور کا بھی اظہار کرسکوں۔ آجکل دُنیا کا امن خطرہ میں ہے نازیت کے بادل سروں پر منڈلا رہے ہیں یہ وقت نہیں ہے کہ ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں بلکہ اس بلائے عظیم کو دور کرنے کیلئے وہ سب کچھ کریں جو ہمارے امکان میں ہو ہم اس وقت ایک ایسی سرزمین میں ہیں جہاں آتش افروز اور دل ہلا دینے والے بم غریب شہریوں پر نہیں گرائے جارہے ہیں۔ ہم اس سرزمین میں ہیں جہاں امن و امان ہے اگر ہم ہندوستان سے پرے مغربی ممالک کی تباہیوں کا تصور کریں تو معلوم ہوگا کہ کروڑوں بندگان خدا کی زندگیاں کس قدر خطرے میں ہیں ان ممالک کے باشندوں کو نہ تو رات کو نیند ہے اور دن کو چین ہر لمحہ وہ اپنی ہلاکت کی چوکھٹ پر ہیں۔ تمام بین الاقوامی قوانین صرف کاغذی بنکر رہ گئے ہیں۔ فوجی آبادی اور سیول آبادی میں کوئی فرق باقی نہیں رہا ہے۔ نازی اپنی کامیابی اسی میں سمجھ رہے ہیں کہ سول آبادی کو تباہ کردیا جائے بین الاقوامی قوانین کی انکے نزدیک کوئی اہمیت نہیں ہے۔ برطانوی قوم اسی نظریہ جبر و قوت کو فنا کرنے کے لئے میدان جنگ میں کود پڑی ہے اور وہ وہ مصائب برداشت کررہی ہے جو اس کے امکان میں ہے۔ اب ہمارا یہ کام ہے کہ ہر طرح اس قوم کا ساتھ دیا جو دُنیا میں امن کو قائم رکھنا چاہتی ہے اور نازیت کے جبر و استبداد کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کردیں۔

اس کے علاوہ ایک اور گذارش بھی ہے۔ آج کل فرقہ واریت ہندوستان میں انتہا کو پہنچ چکی ہے ہر ایک فرقہ اپنے لئے سیاسی اقتدار کے حاصل کرنے کی سعی میں لگا ہوا ہے۔ یہ ایک ایسا متعدی مرض ہے کہ جس کی وجہ سے قوم کی بنیادیں کھوکھلی ہوتی جارہی ہیں بجائے اس کے کہ قوم ترقی کرے۔ ترقی معکوس کررہی ہے۔

ضرورت ہے کہ اس کے ازالہ کی طرف توجہ کیجائے۔ جہانتک میں نے غور کیا ہے اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ لیڈروں میں خلوص ہی نہیں رہا ہے بلکہ ہر شخص اپنا نام و نمود چاہتا ہے اور عوام کے جذبات سے کھیل رہا ہے۔ اگر لیڈروں کے دل میں خلوص پیدا ہو جائے اور قوم و ملک کی بہبودی ان کے پیش نظر ہو تو فرقہ واریت صفر ہو کر رہ جائے گی۔

حضرات۔ آپ یہ خیال فرمائیں کہ آپ کو کسقدر بے شمار کام کرنے ہیں آپ کو نہ صرف ملک کی صنعت و حرفت کو فروغ دینا ہے بلکہ زراعت کی بھی ترقی کرنی ہے اگر ان دو ضروری عناصر ترقی پر آپ اپنی توجہات کو مرکوز کر دیں تو پھر آپ کو کہاں وقت ملے گا کہ آپ ان جھوٹے جھگڑوں میں پڑ کر اپنے اوقات خراب کریں۔ میری درخواست ہے کہ فرقہ واریت کے بھوت کو سر سے اتار پھینکیں اور کام میں مصروف ہو جائیں۔

حضرات! میں نے آپ کا بہت وقت لیا۔ اب عالیجناب نواب سالار جنگ بہادر بالقابہ سے درخواست کرتا ہوں کہ کانفرنس کا افتتاح فرما کر مرہون منت فرمائیں۔

بارگاہ رب العزت میں دست بدعا ہوں کہ ہمارے مالک مجازی خداوندنعمت اعلیحضرت بندگانعالی اور شہزادگان و شہزادیاں فرخ فال کے عمر و اقبال میں دن دونی رات چوگنی ترقی ہو۔

چوتھی نمائش مصنوعات مملکت آصفیہ

بمقام باغ عامہ بلدہ حیدرآباد

یکم ذیحجہ سنہ ۱۳۶۰ھ تا ۲۹ ذیحجہ سنہ ۱۳۶۰ھ

مطابق

۷ امرداد بہمن سنہ ۱۳۵۱ف تا ۵ امرداد اسفندار سنہ ۱۳۵۱ف

زیر اہتمام

مجلس نمائش معاشی کمیٹی حیدرآباد (انجمن طیلسانیین عثمانیہ)

خطاب افتتاحیہ

از عالیجناب نواب سالار جنگ بہادر بالقابہ

حاضرین! میں آج بڑی مسرت کے ساتھ انجمن طیلسانیین جامعہ عثمانیہ کی کانفرنس کا افتتاح کر رہا ہوں اگرچہ مجھکو جامعہ عثمانیہ سے راست تعلق نہیں رہا ہے لیکن ملک کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی استدعا پر تامل کرنا مناسب نہیں معلوم ہوا۔ آپ کے صدر جلسہ رائے گرو داس صاحب اور مولوی میر اکبر علیخاں صاحب جو وفد میرے یہاں لائے تھے اس کی خواہش اور اصرار پر افتتاح کرنے کی رضامندی ظاہر کرنے کے بعد میں یہ معلوم کر کے خوش ہوا کہ انجمن طیلسانیین عثمانیہ قدیم روایات ملک کو برقرار رکھکر باہمی اتفاق و اتحاد کے زرین اصول پر عمل پیرا ہے نیز اس نے اپنے دائرہ عمل کو محض طیلسانیوں تک محدود نہیں رکھا بلکہ اُن لوگوں کو بھی اشتراک عمل کا موقع دیا ہے جو طیلسانی نہیں ہیں چنانچہ مجھے معلوم ہوا کہ اسی اصول کو پیش نظر رکھکر انجمن کے کئی ایک ذیلی شعبے بھی کام کر رہے ہیں اور یہ شعبے اسی اصول پر گامزن ہیں کہ ملک کی قدیم روایات کا تحفظ کیا جائے اور ملک و مالک کی خدمت گذاری بلا تفریق مذہب و ملت کیجائے یہی ایک راستہ ہے جو ہر وقت اور ہر حالت میں آپ کو کامیابی کی طرف لیجائیگا۔

مجھے توقع ہے کہ اس کانفرنس میں جو رزلیوشن پیش ہونگے وہ معقول ہونگے۔ تاکہ ارباب متعلقہ ان پر ہمدردی کے ساتھ غور کریں۔

آپ کے صدر رائے گرو داس صاحب اور ان کے جذبہ فرائض شناسی سے میں واقف ہوں مجھے ان سے توقع ہے کہ آپ کی کانفرنس کی کامیاب صدارت کرینگے اور جس طرح سے آپ کی انجمن کام کر رہی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنی موجودہ مشکلات کو رفتہ رفتہ دور کر سکیگی۔

آخر میں میں سلطان العلوم اعلیحضرت بندگانعالی اور شاہزادگان بلند اقبال و خانوادہ آصفیہ کی عمر و اقبال کی ترقی کے لئے دعا کرتے ہوئے آپ کی کانفرنس کی افتتاح کا اعلان کرتا ہوں۔

جناب راجہ گروداس صاحب جاگیردار بی اے ایل ایل بی عثمانیہ
صدر انجمن طیلسانین عثمانیہ ۱۳۵۰ ف

خطبۂ صدارت

عالیجناب رائے گرو داس صاحب بی۔ اے ال ال بی (عثمانیہ)

معزز حضرات و خواتین!

تمہید قبل اس کے کہ میں اپنے چند ناچیز خیالات کا اظہار کروں مجھے اس کی اجازت دیجئے کہ اس انتخاب اور اور اہم فرض کی نسبت کچھ شکوہ و شکایت اور اظہار تشکر کروں۔

انجمن طیلسانیین کے ارکان کی حیدر آباد میں ایک ایسی علمی برادری ہے کہ جس میں ابتدائے قیام جامعہ عثمانیہ سے اب تک کے طیلسانیین کم و بیش شریک ہیں۔ اس کے ایک رکن ہونیکی عزت مجھے بھی حاصل ہے۔ ایک دو سال کے وقفہ سے چھ سات سال سے اسکی خاموش خدمت گزاری کا شرف بھی حاصل ہے۔ کبھی اس ادارہ کی خدمت رکن کابینہ کی حیثیت سے انجام دی تو کبھی نائب صدارت کی نیم ذمہ دارانہ خدمت بھی کی۔ مجھے قوم کی خاموش لیکن پر خلوص خدمتگزاری دل سے بھاتی ہے اس حیثیت سے کام کرنے کو صحیح طریقہ سمجھکر اپنے کو اس موافق ڈھال لیا ہے اور تقریباً اب میرا عقیدہ ہو چلا ہے کہ ہنگامہ مچانے والے عموماً نام و نمود کے خواہشمند ہوتے ہیں اور ایسی ہنگامہ آرائی میں کام کی باتیں بہت کم ہوتی ہیں لیکن طیلسانی برادری جب کسی کو نوازنا چاہتی ہے تو اسکے لئے صدارت کا بار گراں پیش کرتی ہے اور قبول کرنے کے لئے ہر طرح مجبور کرتی ہے چنانچہ اس سال کے انتخابات میں میرا بار بار ارکان سے اصرار تھا کہ مجھے ایک ادنیٰ خدمتگزاری کی حیثیت سے ہی کام کرنے کا موقع دیا جائے اور اس اہم خدمت کیلئے مجھ سے جو زیادہ لائق ہستیاں اپنی برادری میں موجود ہیں ان میں سے کسی ایک کو منتخب کرنا مناسب ہوگا لیکن جب ایک شخص پر خلوص اثرات کے تحت مجبور کر دیا جاتا ہے تو لازماً اسکو قبول کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا۔

اس کے باوجود جب میں اپنے قبل کے سات صدر نشینوں کی قابلیتوں پر غور کرتا ہوں اور ان کے اس بار گراں کو باحسن الوجوہ برداشت کرنیکی اہلیت پر نظر کرتا ہوں اور اپنے پروگرام اور اسکی تکمیل پر غور کرتا ہوں تو اپنی بے بضاعتی اور بے مائگی کی وجہ فکر دامن گیر ہوتی ہے کیونکہ کبھی تو اسکی صدارت ملک کے ایک لائق قابل ذی مرتبت جاگیردار نے کی اور کبھی تو اسکی صدارت کو ملک کے ایک لائق وہ دمند مخلص بیرسٹر نے زینت دی کبھی طبقہ وکلا کے ایک سرگرم اور پر جوش رکن نے صدارت کی کانفرنس کے دو تین اجلاس ایسے لائق پروفیسروں کی صدارت میں انجام پائے جو رات دن علمی فضا میں سانس لیتے ہیں کبھی تو اس کرسئی صدارت کو ایک ایسی ہستی نے مفتخر کیا جسکو دنیا کے بہترین علمی انعام کا مستحق قرار دیا گیا ہے ان لائق ہستیوں کی ایک آخری کڑی ایک ایسی ہستی ہے جو ابھی ابھی اپنے فرائض کی بہترین انجامدہی کے بعد سبکدوش ہوئی۔ یہ صدارت انجمن طیلسانیین کی تاریخ میں ایک خاص امتیاز کی حامل ہے۔ وہ یہ کہ کانفرنس نہ صرف بلدہ اورنگ آباد میں منعقد ہوئی بلکہ بفرط نوازش شاہانہ عالیجناب نواب حضرت بسالت جاہ بہادر دام اقبالہٗ کو افتتاح کانفرنس کی اجازت بھی مرحمت ہوئی۔ اسطرح خانوادہ شاہی کی سرپرستی عملاً جو حاصل ہوئی وہ ساری طیلسانی برادری کیلئے موجب افتخار رہی۔ سال گذشتہ کے صدر نے تاریخ کو دہرا کر جو پہلو نمایاں کئے ہیں اس کے لحاظ سے اب اس اہم خدمت کے فرائض انجام دینے کیلئے بھی ایک ایسی ہی تاریخ پر عبور رکھنے والی ہستی کی ضرورت تھی

جو حیدر آباد کے معاہدات کو تاریخ کی روشنی میں ظاہر کر کے اسکی امتیازی خصوصیات کو نمایاں کرے کیونکہ اب حیدر آباد ایک نازک دور سے گذرنے والا ہے بہرحال ان سات ہستیوں کے ساتھ میرا جوڑ کچھ مناسب نہیں معلوم ہوتا جب اس گراں بار ذمہ داری کو پورا کرنے کے لئے میرے کمزور شانوں کو ہی خلوص کے ساتھ منتخب کیا گیا ہے تو اب میں اپنے رب العالمین سے دعا کرتا ہوں کہ خدایا! تو مجھے اس صدارت کے زمانہ میں مستقل مزاجی کے ساتھ اپنے فرائض کو ادا کرنے کی استطاعت دے اور میرے شرکاء اور رفقاء کار کو خلوص کے ساتھ میرا ہاتھ بٹانے کی توفیق عطا فرما۔ میں آپ سب حضرات کا تہ دل سے اس سرفرازی اور اعزاز کا شکریہ ادا کرتا ہوں اب جبکہ یہ خدمت میرے سپرد فرمائی گئی ہے تو حتیٰ الوسع کوشش کرونگا کہ آپ کی توقعات پوری کرسکوں۔

اعزازی ڈگری بہ پیشگاہ حضرت والاشان | اعلیٰ حضرت بندگانعالی مدظلہ العالی کے عہد مسعود میں جہاں اپنی عزیز رعایا پر بے انتہا سرفرازیاں ہیں وہاں جامعہ عثمانیہ کا قیام بھی وابستگان خانوادہ آصفی کیلئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔ قیام جامعہ کے بعد ہی فرط عقیدت سے ارباب جامعہ نے ملازمان اقدس میں اپنے جذبات وفاداری کے ساتھ **سلطان العلوم** کا اعلیٰ ترین لقب پیش کیا۔ اس کو حضرت ظل سبحانی نے قبول فرما کر لاکھوں وابستگان آصفی کو اور جامعہ کو مفتخر فرمایا۔ اسی طرح یہ سال بھی جامعہ عثمانیہ کی تاریخ میں ایک شگون نیک کا باعث سمجھا جائیگا کہ جامعہ عثمانیہ نے حضرت والاشان ہز ہائنس پرنس آف برار مدظلہ العالی ولیعہد سلطنت آصفیہ کی بارگاہ میں اپنے ڈاکٹریٹ کا اعلیٰ امتیاز پیش کرکے خود اپنے اعزاز او مرتبہ کو دوبالا کرلیا۔ حضرت ظل سبحانی اور خانوادۂ آصفی کے ساتھ رعایائے حیدر آباد کی وفاداری ہمیشہ غیر متزلزل رہی ہے طبقۂ ہنود بادشاہ کو اوتار مانتا ہے تو مسلمان بھائی ظل اللہ اس لحاظ سے میں اس موقع پر انجمن طیلسانیئین عثمانیہ کی جانب سے بارگاہ ولیعہدی میں وفادارانہ جذبات تشکر پیش کرتا اور جامعہ عثمانیہ کو اس تقریب مسعود کی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

امور متعلق انجمن | معزز حاضرین! اب سب سے پہلے میں اپنے خطبہ کا موضوع اپنی انجمن اور اس کے متعلق امور کو قرار دیتا ہوں۔ انجمن طیلسانیئن عثمانیہ کو قائم ہوئے اب (۹) سال ہو چکے ہیں اس دوران میں یہ امر اب بلا کسی خود ستائی کے کہا جاسکتا ہے کہ انجمن کی تنظیم نے ملک میں اپنی جگہ حاصل کرلی ہے۔ طیلسانیئن عثمانیہ کو اس نے ایک مرکز پر جمع کیا ان کے حقوق کی حفاظت کے لئے سعی و کوشش کی اور مسائل ملکی میں اعتدال کے ساتھ اس نے غیر معمولی حصہ لیا۔

بلدی امور اور انجمن طیلسانیین | حضرات حیدرآباد فرخندہ بنیاد میں Local self Goverment حکومت خود اختیاری کی پہلی قسط کے طور پر ۱۳۴۲ ف میں قانون بلدیہ منظور فرمایا گیا اور شہر کی آرائش، صفائی کا کام ایک مجلس کے سپرد فرمایا گیا جس کے ارکان کی تعداد (۳۶) ہے۔ اس کو شہر کے بلدی امور کے حد تک موازنہ مرتب کرنے اور ذمہ دارانہ طور پر اس کے خرچ کرنے کا مجاز کیا گیا۔ انجمن طیلسانیین نے اس کے انتخاب میں حصہ لیکر عوام میں ان کی ذمہ داری کا احساس پیدا کر دیا تاکہ ان کی نیابت مجلس بلدیہ میں ایک صحیح اصول کے تحت ہو اور ایسے انتخابات کو عام خدمتگزاری کے جذبہ پر منحصر رکھا گیا کہیں بھی فرقہ وارانہ ذہنیت کو پیدا نہ ہونے دیا چنانچہ دوسہ سالہ انتخابات میں اپنی انتھک کوشش سے بلدیہ میں ایک زندگی پیدا کر دی۔ خدا کا شکر ہے کہ اب رعایائے حیدرآباد اپنے نمائندوں کے انتخاب میں بڑی سنجیدگی سے غور کرنے لگی ہے۔ احساس شہریت، فرائض اور ذمہ داریوں کا جذبہ پیدا کرنے میں انجمن کی محنت بارآور ہوتی نظر آتی ہے۔ چنانچہ اس قسم کی دلچسپی پیدا کرنے کیلئے سال میں ایک مرتبہ بلدی کانفرنس کے نام سے ایک کانفرنس بھی منعقد ہوا کرتی ہے۔ اس میں تقاریر اور نمائش کا انتظام بھی کیا جاتا ہے۔ اب یہ جماعت ذمہ دارانہ طور پر اپنی ایک مستقل حیثیت حاصل کرتی جارہی ہے۔ اس خصوص میں مجھ پر لازم ہے کہ میں ان خدمات کا اعتراف کروں جو نواب میر احمد علیخاں صاحب بلدی جماعت کی اندرون و بیرون مجلس بلدیہ اپنی انتہائی سرگرمی اور فرض شناسی سے انجام دی۔ خود انجمن بھی بطور عام انکی مخلصانہ مساعی کی ممنون رہیگی۔

معاشی کمیٹی اور انجمن | حضرات! عثمانیہ بلدی جماعت کی طرح انجمن کی ایک اور ملحقہ جماعت معاشی کمیٹی کے نام سے جو کام کر رہی ہے وہ قابل صد مبارکباد ہے یہ کمیٹی انجمن طیلسانیین کے بہترین ارکان اور کوششوں کا نتیجہ ہے جس شان اور خوبیوں سے یہ کمیٹی سالانہ نمائش کا انتظام کرتی ہے وہ اسکی محنت سلیقے اور تنظیم کا بہترین مظاہرہ ہے۔ جو شخص اس نمائش کو دیکھتا ہے اسکی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ دد سال سے سالانہ معاشی کانفرنس میں اس امر کی کوشش کیجارہی ہے کہ ذہنی نشو و نما کے ساتھ ساتھ معاشی اور اقتصادی پہلو بھی نظرانداز نہ ہوں اور حیدرآباد کی اکنامک سروے کیجا کر اسکی قدیم صنعتوں کو ابھار کرنے کی راہیں پیدا کیجائیں۔ خدا کرے کہ یہ کوشش بارآور ہوں۔ نمائش کے سلسلہ میں طیلسانی برادروں میں

مولوی محمود علی صاحب ایم اے۔ مولوی محمد فاروق صاحب بی۔اے ہچ۔سی۔ایس۔ شنکرجی صاحب بی اے ایل ایل بی اور شرف الدین صاحب بی۔اے و نیز غیر طیلسانیین میں مولوی محمد علی صاحب موسوی صدر معاشی کمیٹی کی سرگرمی انہماک اور شبانہ روز کی محنت ناقابل فراموشی ہے۔ نمایش ایک مظاہرہ ہے اتحاد و تعاون اور سرگرمی کی برکتوں کا۔ خدا کرے کہ قومی زندگی اس قسم کے اتحاد و تعاون اور سرگرمی کی مظہر بنجائے۔

جماعت اتحاد ترقی حضرات! حیدرآباد کی موجودہ فرقہ وارانہ فضا اور کشمکش کو رفع کرکے سابقہ دور اتحاد اور اس کے اعلیٰ روایات کو پھر تازہ کرنے کی طرف سے انجمن طیلسانیین غافل نہیں رہی۔ چنانچہ انجمن سے ملحقہ ایک اور جماعت موسوم بہ "جماعت اتحاد و ترقی" نے کام کا آغاز کردیا۔ ہنگامہ آرائی کے باوجود اس جماعت نے فرقہ واریت سے علیحدہ رہ کر ملک کے سیاسیات میں توازن قائم رکھنے اور روایات قدیمہ کو برقرار رکھنے میں جو کوششیں کی ہیں وہ مستحسن ہیں۔ یہ سنکر بے انتہا مسرت ہوئی کہ اس جماعت نے باوجود فضا کے ناموافق ہونے کے بڑی ہمت سے اپنا کام جاری رکھا ہے خدا کرے کہ حیدرآبادیوں میں وہی جذبہ مشترکہ قومیت کا عود کر آئے جو شروع سے اس سلطنت کا مابہ الامتیاز رہا ہے ہم سب کی تمنا ہے کہ ملک کی دو بڑی جماعتوں میں جلد سے جلد سیاسی اتحاد بفضل خداوندی و بہ اقبال خسروی اس جماعت اتحاد و ترقی کے ذریعہ انجام پائے انجمن اور اسکی ساری ملحقہ جماعتوں کی تنظیم میں نواب میر اکبر علیخاں صاحب کی کوششیں اور مشورت لایق تشکر ہیں۔ بلدی جماعت اور علی الخصوص مجلس نمایش کی سرگرمیوں کو کامیاب بنانے میں برادر موصوف کی کوششوں کو خاص درجہ حاصل رہا ہے، انکی مساعی کی ممنونیت سے انجمن اور اس کے سب ملحقہ ادارے کبھی سبکدوش نہیں ہوسکتے۔ خدا کرے کہ وہ اور ہم سب ملک کی ترقی کی تمناؤں میں کامیاب ہوں۔

مسائل جامعہ عثمانیہ معزز حاضرین! اس کے بعد میں اپنے خطبہ کا موضوع جامعہ عثمانیہ کو قرار دیتا ہوں آپ سب حضرات اچھی طرح واقف ہیں کہ ابتدائے قیام جامعہ کے وقت اقطاع عالم میں اس کے متعلق مختلف چہ میگوئیاں ہونے لگی تھیں۔ ذریعہ تعلیم اردو قرار دیئے جانے کے تجربہ کو اکثر ماہرین تعلیم شبہ کی نظروں سے دیکھتے تھے اور ایسے متعصب نقطۂ نظر رکھنے والوں کا یہی خیال تھا کہ اس نونہال پودے کو شباب دیکھنا بھی نصیب نہ ہوگا بلکہ کمسنی ہی میں خزاں کا منہ دیکھے گا، لیکن الحمد للہ کہ لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے کہ

آج یہ شجر نونہال ایک تناور درخت کی شکل میں سایہ فگن ہے اور اپنے بے شمار ثمرات سے اہل دکن کو مستفید کر رہا ہے، کیوں نہ ہو اس کی تاسیس تخت نشینی کی یادگار میں ایک ایسے بیدار مغز فرمانروا حضرت سلطان العلوم نے فرمائی کہ جس ذات شاہانہ کو اپنی عزیز رعایا کے فلاح و بہبود کی رات دن فکر رہتی ہے۔ آج ہندوستان کے اکثر صوبجات میں ہمارے نقش قدم پر چلنے کے امکانات پر غور ہو رہا ہے کیا عجب ہے کہ ہندوستان کے جدید دور میں صوبجات ہند کی جامعات جامعہ عثمانیہ کے اصول کی پوری پوری تقلید کرنا شروع کر دیں اور جو حضرات جس چیز کو مایوس کن تصور کرتے تھے اسی کے خوشہ چین بنیں۔

یہ ظاہر ہے کہ جو طالب علم اپنی مادری زبان میں کسی مضمون کو سمجھتا ہے یا اس کی روح کو جذب کرتا ہے کسی غیر کی زبان میں حاصل کرنے کے لئے ایک مدت درکار ہوتی ہے، چنانچہ اس دعوی کے ثبوت میں طیلسانیین پیش کئے جا سکتے ہیں جو نہ صرف ہندوستان کی جامعات میں اپنی قابلیت منوائی ہے بلکہ خود جامعات یورپ میں وہ امتیازات حاصل کئے کہ دنیا حیرت کر رہی ہے چنانچہ آج دنیا کا بہترین علمی اعزاز جو اب تک صرف دو ہندوستانیوں کو ملا ہے اب ایک تیسرے ہندوستانی ہماری جامعہ کے ایک روشن ستارے ڈاکٹر رضی الدین صاحب کو حاصل ہوا ہے کیا یہ ایک جامعہ کے لئے انتہائی فخر و مباہات کی بات نہیں ہے کہ اس کا ایک قابل سپوت دنیا کے لائق افراد کی مسابقت میں بازی لیجائے۔

حضرت ظل سبحانی نے قیام جامعۂ عثمانیہ سے نہ صرف علمی دنیا میں ایک غیر معمولی سرگرمی پیدا فرمادی ہے بلکہ ایک ایسی زبان کی سرپرستی فرمائی ہے جو ہندو مسلمانوں کی مشترک تہذیب اور اتحاد سے پیدا ہوئی ہے اور آئندہ بھی قومیت کے استحکام میں اسکو ایک خاص درجہ حاصل رہیگا، حضرت بندگانعالی نے نہ صرف رعایا حیدرآباد بلکہ سارے ہندوستان پر احسان عظیم کیا ہے۔

حضرات! جس جامعہ کے طلباء اس طرح محنت سے اپنے کو قابل بناتے اور حیدرآباد کا نام روشن کرتے ہیں وہاں چند امور جامعہ عثمانیہ کے متعلق اصلاح طلب بھی ہیں ممکن ہے کہ ارباب حل وعقد ضرور اس بارے میں کوشش فرمارہے ہونگے اس سلسلہ میں طلبہ کی تحدید کا مسئلہ ہی لیجئے۔

تحدید طلبہ مسلسل چھ سات سال سے اس کے متعلق کانفرنس میں قرار دادیں منظور کیجاتی رہیں اور

ہر صدر کا اپنے خطبہ صدارت میں اس پر توجہ دلانا ایک روایت قدیمہ بنگئی ہے۔ حتیٰ کہ اس خصوص میں ایک جلسہ عام بھی منعقد کیا گیا اور اس میں اس کے خلاف ایک عام قرار داد منظور کیگئی، اس ضمن میں کئی وفود نے ذمہ دار اصحاب سے ملاقاتیں بھی کیں لیکن ہنوز روز اوّل ہے۔ کبھی تو عمارات کی ناکافی کا عذر ظاہر فرمایا گیا اور کبھی یہ کہا گیا کہ اعلیٰ تعلیم عام کرئے جانے سے تعلیم یافتہ بے روزگاری کے اضافہ کا خطرہ ہے۔ دنیا کی کسی جگہ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے تحدید کا اصول رائج نہیں ہے صرف جامعہ عثمانیہ کا یہ نرالا اصول سمجھ میں نہیں آیا۔ ہر بہی خواہ ملک اس سے یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ جامعہ کے ذمہ دار ارباب اسکو گوارا نہیں کرتے کہ حیدرآباد میں اعلیٰ تعلیم یافتہ اصحاب کی تعداد بڑھ کر ملک و مالک کی خدمات کرسکے ہر تعلیم یافتہ حیدرآبادی جس کو اپنے ملک کا درد ہے اور جو حیدرآباد کو اعلےٰ سے اعلےٰ میعار پر دیکھنا چاہتا ہے ان عذرات کو قطعاً درست نہیں سمجھتا۔ اب تو عمارات ایسے سربفلک اور وسیع بن چکے ہیں کہ تنگی داماں کا عذر بھی نہ رہا۔ دوسرا عذر بے روزگاری کے اضافہ کا خطرہ ہے۔ مسئلہ بے روزگاری کے اندفاع کے لئے تحدید علاج نہیں ہے اور تعلیم یافتہ بے روزگاری کا مسئلہ اتنا اہم نہیں ہے کہ اس کو ہوا بنایا جائے۔ اگر بفرض محال مان بھی لیا جائے تو حکومت کو چاہیئے کہ پیدائش دولت کے قدرتی اسباب سے فائدہ اُٹھائے ....

.... اور صنعتی کاروبار کے مزید پھیلاؤ کے لئے جلد از جلد سرگرمی دکھائے۔ ممالک محروسہ سرکار عالی کو حبوب روغن دار اور کپاس کی پیداوار میں جو خصوصی امتیاز حاصل ہے وہ حکومت پر واضح ہے لیکن ملک میں گرنیاں زیادہ تر صرف بنولہ نکالنے اور گھٹے بنانے کی ہیں۔ کیوں نہیں لاتور اور عثمان آباد میں شولاپور کی سی صنعتی سرگرمی پیدا کیجاتی۔ باہر سے تا بہ حدود اورنگ آباد ہمارا کام بس اسی قدر ہے کہ کپاس کی پیداوار کیجائے بنولہ نکالیں گھٹے باندھ کر ملک سے باہر بھیجدیں آج جو چہل پہل اور سرگرمی احمدآباد میں دکھائی دیتی ہے اس کا کوئی عکس کیا ہمارے ملک میں نظر نہیں آسکتا۔ حبوب روغن دار کی اتنی افراط میں کاشت ہونے کے باوجود کیا ہم دوسروں ہی کو اس سے مستفید ہونے کے مواقع فراہم کرتے رہینگے۔ اس قسم کے صنعتی کاروبار میں جو موانعات ہیں وہ کسی طرح ناقابلِ حل نہیں ہیں پہلے حکومت ارادہ تو کرے صرف جدید عہدہ داروں اور مجالس مشورت کے قیام سے

کچھ نہ ہوگا، موٹرسازی، سیکل سازی، ہوائی جہاز سازی۔ انجن سازی وغیرہ وغیرہ بڑی بڑی صنعتیں جاری کیجئے پھر دیکھئے ملک میں ایک جامعہ نہیں بلکہ کئی جامعات قائم کرنے کی ضرورت داعی ہوگی۔ ملک میں سررشتہ صنعت وحرفت تقریباً (۲۰) سال سے قائم ہے، اس بڑی مدت میں جو کام سرانجام پاناچاہیئے تھا وہ تو خیر ماضی کی داستان ہوگئی۔ مستقبل کیلئے اس کا حقیقی اور اصلی پروگرام کیا ہے؟ ہر محب وطن اس کے معلوم کرنے کے لئے سیماب وار بے قرار ہے۔ ملک میں صنعتی سرگرمی کی سستی کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ فارغ التحصیل نوجوانان ملک پر روزگار کے مواقع محدود رہیں۔

میں اس سلسلہ میں ملک کے ارباب ثروت سے درمندانہ التماس کرونگا کہ وہ خود میدان میں آئیں اور حکومت کی تائید و اعانت کا اور اسکی پالیسی کا انتظار کئے بغیر نہ صرف موجودہ صنعتی کاروبار میں جان ڈال دیں بلکہ اسکو مزید وسعت دینے کے لئے پوری جد وجہد عمل میں لائیں۔ ہندوستان میں ایک دال چند ہیرا چند کی ہمت نے جو عزم کرلیا ہے وہ ہر شخص پر عیاں ہے۔ خوش قسمتی سے بعض بلند مرتبت ماہران فن انجنیرنگ اب سرکاری ملازمتوں کی قید و بند سے آزاد میں میدان میں آکر رہبری فرمادیں تجدید کے سلسلہ میں اس سے قطع نظر بیروزگاری کے حل کا اور بھی ذریعہ ہے۔

ملازمتوں کا مسئلہ بہت آسانی سے حل ہو جا سکتا ہے بشرطیکہ رواداری، قرابت اور غیر ملکی درآمد کا سدباب ہوجائے۔ ملکی ہونے کے لئے جو قواعد نافذ ہیں انمیں ایسی بندش کیجائے کہ ان سے غیر ملکی حضرات کو فائدہ اٹھانے کا موقع نہ ملے۔ انجمن طیلسانین کے پاس ایسی بیسیوں مثالیں ہیں جہاں جامعہ عثمانیہ کے سپوتوں کے حقوق مارے گئے اس خصوص میں حکومت ایک کمیشن کے ذریعہ تحقیقات عمل میں لائے تو صورت حال کی بخوبی وضاحت ہوگی۔ بہرحال ہم یہاں قطعی طور پر بالاعلان اس پلاٹ فارم سے مجلس اعلیٰ جامعہ عثمانیہ سے یہ خواہش کرتے ہیں کہ فی الفور تحدید کے حکم کو واپس لے لے ورنہ حیدرآباد کے تعلیم یافتہ طبقہ کا اوسط بہت جلد متاثر ہوجائیگا اور اسکو غیر محدود مدت تک باہر سے آنے والوں کا دست نگر رہنا پڑیگا جسمیں ملک کا نقصان عظیم ہے۔

حکومت کا یہ بھی خیال تھا کہ میکنزی اسکیم کے تحت ثانوی تعلیم کے درجہ میں صنعتی تعلیم کے اضافہ سے

صورت حال کی اصلاح ہو جائیگی چنانچہ عملی قدم بھی اُٹھایا گیا ہے تاکہ وہ طلباء جو ذہین ہوں اور اعلیٰ جامعی تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں تو جامعی تعلیم کو جاری رکھیں ورنہ ملازمت نہ ملنے کی صورت میں کوئی نہ کوئی ذریعہ معاش اختیار کریں، لیکن ایسی شکل میں حکومت کو اس پر بھی غور کر لینا چاہیئے کہ اس ثانوی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد ان کے لئے کونسے میدان ہیں ورنہ پھر بے روزگاری کا مسئلہ پیدا ہوگا۔

جامعہ کے کم استطاعت طلباء کی امداد

حضرات! جہاں ارباب جامعہ عثمانیہ نے اعلیٰ تعلیم میں تحدید عاید فرمادی ہے اس سے زاید مشکل یہ پیدا کیگئی کہ غریب اور کم استطاعت طلباء کے وظایف مسدود کرکے فیس بھی وصول کرنا شروع کر دی، تاکہ جامعہ کے بڑھتے ہوئے اخراجات کی کفیل یہ معمولی اور حقیر رقم ہو سکے اور اعلیٰ تعلیم کی تشویق کسی نہ کسی طرح ملک میں کم ہو جائے اور غیر تعلیم یافتہ بے روزگاری کا اضافہ ہو حیرت تو یہ ہے لاکھوں کروڑوں روپیہ جامعہ کے عمارات پر صرف ہو رہا ہو یا پروفیسروں کے بیش قرار درماہہ میں خرچ کیا جا رہا ہو لیکن ملک کے کم استطاعت طلباء کی تعلیم پر تھوڑی سی رقم کا خرچ ہونا بار تصور کیا جا رہا ہے۔ ہر مذہب میں تعلیمی امداد ثواب کا کام سمجھا گیا ہے، اسی نظریہ کے تحت ملک کی آمدنی کا بیش قرار حصہ حیدرآباد سے باہر تعلیمات کی مد میں مختلف ادارہ جات کی امداد پر صرف کیا جاتا ہے تو کیا ایسی صورت میں اس ملک کی آبادی اس سے مستفید ہونے کا حق نہیں رکھتی۔ اگر اس طرح تعلیم کے بڑھتے ہوئے شوق کو کچلا جائیگا تو جامعہ کے قیام کا حقیقی مقصد پورا نہ ہوگا۔ ہمیں امید ہے کہ اس واجبی خواہش کی بہت جلد تکمیل فرمائی جائیگی

جامعہ کی مختلف مجالس میں طیلسانیوں کی شرکت

حضرات! جامعہ عثمانیہ کے فارغ التعلیم جب جامعات ہند اور جامعات یورپ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرتے ہیں اور انکی لیاقت اور قابلیت کی توثیق ہو جاتی ہے، دُنیا کے بہترین انعامات پانے کے قابل تصور کئے جاتے ہیں تو اسکی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ خود جامعہ کے مختلف مجالس میں ایسے لائق افراد کو کیوں نہ جگہ دیجائے تاکہ وہ اپنے معلومات سے اپنے مادر علمیہ کی خدمتگزاری کر سکیں یہ مسئلہ بھی جامعہ کے ارباب حل و عقد کے زیر غور ہے اور تقریباً سات سال سے یہ کارروائی زیر دوران ہے اور جامعہ کے فارغ التحصیل طیلسانین کو اس کا موقع اب تک عطا نہیں فرمایا گیا۔

مجلس رفقاء کی رکنیت کیلئے خود طیلسانین جامعہ کو انتخاب کا حق عطا کیا جانا چاہیئے طیلسانین کا

اس حق کا مطالبہ کرنا نہایت واجبی اور ضروری ہے۔ دُنیا کے تمام جامعات میں طیلسانیوں کو یہ حقوق حاصل ہیں جب مجلس بلدیہ میں طیلسانیین کی نشست کے لئے منتخب کرنے کا حق خود طیلسانیین کو حاصل ہے تو مجلس رفقاء کی رکنیت کا حق جو خود متعلق بہ جامعہ ہو طیلسانیین کو نہ ملنا تعجب کی بات ہے ہمیں امید ہے کہ ہمارے محترم امیر جامعہ و نائب امیر جامعہ اسی سال سے مجلس رفقاء و مجلس انتظامی میں طیلسانیین کو منجانب انجمن طیلسانیین شرکت کا موقع عطا فرمائینگے تاکہ حق بہ حقدار رسید کا مصداق پورا ہوسکے۔

جامعہ کی تعطیلات حضرات! جامعہ عثمانیہ میں تعطیلات دن بدن زیادہ ہونے سے حقیقی ایام درس میں بہت کمی ہوگئی ہے چنانچہ اس وقت کابینہ انجمن طیلسانیین نے صرف سنہ ۱۳۵۰ف کے تعطیلات کا حساب لگایا ہے تو معلوم ہوا کہ (۸) ماہ کی تعطیل ہے اور صرف (۴) ماہ درس کے دن۔ تمام ہندوستان کی صوبجات کے تعطیل کا مواد جمع کیا گیا ہے۔ مستقبل قریب میں کابینہ ارباب جامعہ کو اس طرف متوجہ کریگی کہ جب دنیا کے ہر جامعہ کے تعطیلات مخصوص ہوا کرتے ہیں تو ہماری جامعہ بھی اس مسئلہ پر سنجیدگی سے غور فرمائے۔

مسائل ملک ابتدائی جبری تعلیم حاضرین! حیدرآباد میں جامعی اور ثانوی تعلیم کے متعلق تو حکومت کافی رقم خرچ کر رہی ہے۔ لیکن ابتدائی جبری تعلیم کا مسئلہ ہنوز زیر غور ہے مجلس وضع قوانین میں ہمارے برادر محترم نواب میر اکبر علی خاں صاحب نے مسودہ پیش فرمایا تھا اور ملک کے مایۂ ناز لیڈر وامن نائک آنجہانی نے بھی ایک اور مسودہ پیش کیا تھا لیکن سرکار عالی نے یہ ظاہر کرکے کہ یہ اسکیم خود حکومت کے زیر غور ہے ان مسودات کو ملتوی فرما دیا اور یہ بیان کیا گیا کہ خود سرکار عالی غور کرکے ایک مسودہ پیش کرے گی جس کا ہنوز انتظار ہے معلوم نہیں کہ کارروائی کس نوبت پر ہے۔ البتہ اسکی شدید ضرورت ہے کہ حیدرآباد میں تعلیم عام ہوجائے حیدرآباد جہاں اپنی ظاہری خوبیوں میں ہندوستان کی اور ریاستوں سے امتیاز حاصل کر رہا ہے وہاں ابتدائی تعلیم کے خصوص میں اپنی ساتھی ایک چھوٹی سی ریاست ٹراونکور سے پیچھے ہے جب وہاں کے تعلیم یافتہ اوسط کا مقابلہ حیدرآباد سے کیا جاتا ہے تو ندامت ہوتی ہے اور اس ندامت کو رفع کرنے کی ہمیں پوری کوشش کرنی چاہیئے اور اس مسئلہ میں میں مناسب سمجھتا ہوں کہ انجمن طیلسانیین عثمانیہ جو ایک تعلیم یافتہ طبقہ کی نمائندہ جماعت ہے بعد غور کامل ایک یادداشت حکومت کے ملاحظہ میں پیش کرے۔

تعلیم نسواں حضرات! ہماری لڑکیوں کی تعلیم کا مسئلہ بھی کچھ کم اہم نہیں ہے میرا تو خیال ہے کہ یہ مسئلہ موجودہ حالات میں لڑکوں کی تعلیم کے مسئلہ سے زیادہ اہمیت حاصل کر رہا ہے سماج موجودہ نسوانی تعلیمی نصاب کو اچھی نظروں سے نہیں دیکھ رہا ہے بلکہ یہ خطرہ محسوس کر رہا ہے کہ اگر انکی تعلیم انہیں اصولوں پر جاری رہی جو لڑکوں کے لئے مقرر کئے گئے ہیں تو انکا خدا ہی حافظ ہے، لڑکیوں کو لڑکوں کے نصاب میں تعلیم دئیے جانے سے نہ تو سماج ہی کو کوئی فائدہ حاصل ہوسکتا ہے اور نہ ہی ملک کو۔ بلکہ موجودہ تعلیم کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جائے گا تو اس سے مہلک نتائج رونما ہونگے عورتوں کا نصاب اس طرح مقرر کیا جانا چاہئیے کہ نسوانی تعلیم کے ساتھ ساتھ انتظام خانہ داری تیمارداری فرسٹ ایڈ وغیرہ بھی سیکھ سکیں تاکہ ہر نقطہ نظر سے یہ طبقہ مفید بن سکے اور معاشرت کی بعض خرابیوں اور خامیوں کو جو جہل اور توہمات کیوجہ پیدا ہوتی ہیں دور کر سکے۔ اسراف سے انحراف ہو کر کچھ پس انداز کر سکیں بہر حال حکومت ماہرین کی ایک کمیشن کے ذریعہ انکے نصاب میں ضروری تبدل و تغیر کے متعلق غور فرمائے تو مناسب ہوگا اس میں ملک کے غیر سرکاری ارکان کے ساتھ جو اس مسئلہ سے دلچسپی رکھتے ہوں اشتراک عمل اور تعاون کی سخت ضرورت ہے۔

ہماری تعلیمی کانفرنسیں حضرات! حیدرآباد میں (۲۷) سال سے حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس کے نام سے ایک ادارہ کام کر رہا ہے اور رعایا حیدرآباد کی تعلیمی کانفرنس کے نام سے ایک اور ادارہ چند سال سے کام کر رہا ہے جب دونوں کا مقصد حیات تعلیمی ترقی ہے تو یہ دونوں آپس میں مل جلکر کیوں کام نہیں کرتے تاکہ اجتماعی قوت سے ایک بہترین نتیجہ حاصل ہوسکے اس کے بانیان اور اسکے منتظمین میں وجہ اختلاف معلوم کر کے رفع کرنے کی کوشش کیجانی چاہیئے تاکہ مشترک کوششوں سے حیدرآباد میں تعلیم عام ہوسکے انکی کوششیں اور توجہات جو منقسم ہیں اگر یکجا کردیجائیں تو اس سے بہترین نتائج حاصل ہوسکنے کی امید ہے اور دوسری طرف حکومت کو تعلیمی مسائل کے سلجھانے میں ایک مشترک اور غور کردہ رائے حاصل ہوسکتی ہے۔

دفاتر کا سرکاری زبان سے انحراف حضرات! مجھے انجمن طیلسانیین کے اس پلیٹ فارم سے ایک افسوسناک حقیقت کو ظاہر کرنے میں بے انتہا ملال ہوتا ہے کہ سلطنت حیدرآباد کے

جامعہ عثمانیہ میں ذریعہ تعلیم اردو قرار دینے کے لئے کروڑہا روپیوں کا صرفہ اٹھایا اور اردو کے ذریعہ اعلیٰ تعلیم دینے کا شرف اولین حیدرآباد کو حاصل رہا۔ حیدرآباد کی قومیت کے اعلیٰ تخیل کو برقرار رکھنے کے لئے ایسی ہی مشترکہ زبان کی ضرورت تھی جس میں نہ تو زیادہ سنسکرت ہی کو دخل ہو اور نہ ہی وہ عربیت کا جامہ پہنے ہوئے ہو اردو یا ہندوستانی زبان ایسی ہی سلیس اور عام فہم ہو جس کو ہر شخص بآسانی قبول کر سکے۔ اسی نظریہ کے تحت جامعہ عثمانیہ کا قیام ہوا لیکن جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اکثر دفاتر بلکہ اکثر خانگی ادارے ایک دوسرے کی تقلید میں انگریزی زبان کو اپنے کاروبار میں دخیل کر رہے ہیں تو بے انتہا تکلیف ہوتی ہے حتیٰ کہ ہر دفتر میں دہرا عملہ ہو گیا ہے مسل اور اس کے نوٹ کا ترجمہ زبان انگریزی میں ہوتا ہے حیدرآبادیوں کو یہ خطرہ بجا طور پر محسوس ہو رہا ہے کہ اس کے انسدادی تدابیر پر غور اور عمل نہ کیا جائے تو خدا نہ خواستہ وہ دن آئیگا کہ حیدرآباد کی سرکاری زبان اور یہ جامعہ برائے نام رہ جائینگے اور انگریزی زبان کا دور دورہ ہو جائیگا۔ رفتہ رفتہ سرکاری دفاتر کی بے اعتنائی بڑھتی جائیگی اور انکی تقلید میں غیر سرکاری ادارے بھی اپنی زبان چھوڑتے جائینگے۔ افسوس کے قابل تو یہ بات ہے کہ جو حکومت اردو زبان کی حفاظت کے لئے اور اسکے پرچار کے لئے ہزاروں اور لاکھوں روپیہ حیدرآباد سے باہر کشمیر تک اور مشرق میں بنگال تک اردو کے پرستاروں کے توسط سے صرف کرتی ہے یہ غور نہیں کرتی کہ گھر میں کیا ہو رہا ہے حتیٰ کہ سرکاری سررشتوں کی سالانہ کارگزاری کی رپورٹیں انگریزی میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ مقامی صحافت خصوصاً مشیر دکن اپنے افتتاحی مضامین میں بار بار حکومت کو متوجہ کرتا رہتا ہے کہ سرکاری زبان کا تحفظ ازبس ضروری ہے اردو زبان کی جگہ انگریزی زبان کے تسلط سے قومی وقار اور قومی خودداری اور قومی عزت نفس پر انگشت نمائی ہوتی ہے دنیا کی کوئی قوم اپنی زبان کو حقیر نہیں سمجھتی۔

یہ امر قابل افسوس ہے کہ خود اہل ملک کو انکی اپنی زبان کے تحفظ کے متعلق متوجہ کیا جائے چونکہ اس ضمن میں حکومت سرکار عالی کے پہلے سے احکام موجود ہیں البتہ ان پر پابندی سے عمل نہیں ہو رہا ہے اسلئے اس کی شدید ضرورت ہے کہ تاکیدی احکام صدارت عظمیٰ سے جاری ہوں۔ ہمیں نواب سر صدر اعظم بہادر باب حکومت سے جنکی مساعی جمیلہ کو قیام جامعہ میں بہت دخل رہا ہے امید ہے کہ اس بارے میں پوری توجہ فرمائینگے۔

ازدواج کمسنی حال ہی میں مجلس وضع قوانین سے امتناع ازدواج کمسنی کا قانون کثرت آرا سے منظور کیا
اور یہاں کے سناتن دھرمیوں کی ایک جماعت انتہائی مخالفت پر آمادہ رہی انہوں نے کئی ایک جلسے کر کے
احتجاج بھی کیا اس سے کونسے مذہبی معاملات میں مداخلت سمجھی جارہی ہے؟ کیا میں سناتن دھرمی بھائیوں سے
دریافت کرسکتا ہوں کہ کیا وہ روزمرہ کی زندگی میں وید پران دھرم شاستر کی سختی سے پابندی فرماتے ہیں
ہم کو ذرا غور کر کے چلنا چاہیئے اس وقت زمانہ کہاں سے کہاں جارہا ہے۔ ہر گھڑی جو گذرتی ہے ایک
انقلاب کا درس دیتی ہے کیا حکومت برطانیہ کا ستی کے رواج کو حکماً اور قانوناً بند کرنا مداخلت
فی الدین نہ تھا آپ کیوں اس قانون پر کاربند ہیں۔ آپ حضرات رات دن کے مشاہدہ سے یہ جان سکتے ہیں
کہ کوئی سنجیدہ دماغ کمسنی کے ازدواج کو اچھی نظروں سے نہیں دیکھتا اس سے جو ناقابل تلافی نقصان سماج
اور سوسائٹی کو پہنچتا ہے وہ ملک کے اعداد و شمار سے ظاہر ہے اس کی تفصیل میں جانے کا یہ موقع نہیں ہے
مجھے لایق محرک سے اُمید ہے کہ وہ مایوس نہیں ہونگے اور پھر ایک بار اسکی کوشش فرمائی جائیگی میں سمجھتا
ہوں کہ اس مسودہ کی تائید میں کئی جلسے کئے جاکر ازدواج کمسنی کے نقصانات کو ظاہر کرنا چاہیئے۔

نظم و نسق حیدرآباد حضرات! اب ہم ریاست کے نظم و نسق پر بھی ایک سرسری نظر ڈال لیں گے کیونکہ
آجکل یہ مسئلہ مابہ البحث ہوگیا ہے آپ آئے دن اخبارات میں حکومت پر سخت تنقیدیں پڑھ رہے ہیں
لیکن جہاں خامیاں اور خرابیاں ہیں وہاں خوبیاں بھی موجود ہیں آپ کسی قدر ٹھنڈے دل سے ایک
شخص ثالث بنکر جانچیئے تو معلوم ہوگا کہ اس پچیس سالہ دور عثمانی میں رعایا کے فلاح و بہبود میں کیا کیا نہ خرچ
کیا گیا۔ انکی ذہنی نشو و نما کے لئے بے دریغ روپیہ مہیا کیا جاتا ہے۔ رعایا کی صحت جسمانی کا موازنہ پچیس سال میں
دگنا نہیں تو ڈیوڑھا تو ہوچکا ہے انکی آسائش کے لئے حمل و نقل کے ذرائع مہیا ہوچکے ہیں۔ صاف پانی
اضلاع کے باشندوں کے لئے مہیا ہونے لگا ہے اور نت نئی اسکیمیں حکومت نے منظور فرمائی ہیں اور کئی ایک زیر غور ہیں۔

حضرات! خرچ کا موازنہ تقریباً (۲۵) سال میں دگنا ہوگیا لیکن افسوس کے ساتھ اس امر کا اظہار
کئے بغیر نہیں رہا جاسکتا کہ انتظام مملکت پر جو رقم صرف ہوتی ہے اسکی افادیت بہت کم ہے۔ اس اسراف
کا بیشتر حصہ قومی تعمیری کاموں پر صرف ہونا چاہیئے۔

عوام کا ایک نظریہ یہ ہے کہ حیدرآباد میں عہدوں کے لحاظ سے انتخاب شخصی نہیں ہوتا بلکہ کسی شخص کے تقرر کے لئے جدید عہدہ تراشا جاتا ہے تنخواہوں کا معیار دن بدن بڑھ رہا ہے یہ ایک ملک کا عام احتجاج ہے اور ہر گوشہ سے یہ اعتراض ہو رہا ہے تو حکومت کو فی الفور غور کرنا چاہیئے۔

اصلاحات اور حیدرآباد کا مستقبل حضرات! اس عنوان کے تحت آپ نے ابتک بہت کچھ سن لیا ہے اسکی موافقت اور مخالفت میں بہت کچھ کہا گیا ہے اور کہا جا سکتا ہے۔ ابتک سرکاری اطلاعات تو یہی ہیں کہ اسکے بعض تفصیلات زیر غور ہیں اور اس ضمن میں چند قواعد اور قوانین زیر ترتیب ہیں، چنانچہ حال میں مجلس وضع قوانین کے افتتاحی تقریر میں عالیجناب رائٹ آنریبل نواب سر صدر اعظم بہادر نے بھی اس کا تذکرہ فرمایا، لیکن اس اثنا میں مختلف فرقوں کے لیڈروں کا کام تھا کہ آپسی اختلافات کو دور کرنے کی تدابیر پر غور فرمالیتے تاکہ متحدہ طور پر نفاذ اصلاحات کے بعد اسکو روبہ عمل لانے میں کوئی کوتاہی نہ ہوتی آپسی اختلافات پر جب میں غور کرتا ہوں تو میرے سامنے حیدرآباد کی وہ سابقہ روایات و امتیازی خصوصیت، اتفاق واتحاد کا منظر آکر کھڑا ہو جاتا ہے۔ آج دنیا کس طرف جا رہی ہے وہ ظاہر ہے لیکن ہم ہیں کہ ہندوستان کی تقلید میں اپنے دوسو سالہ بہترین متاع اتحاد کو برباد کرنے پر تل رہے ہیں معمولی معمولی امور اور جزئیات کو پہاڑ بنا کر سر پھٹول کر رہے ہیں۔ ہم اپنے ان روایات کو بھول رہے ہیں جس کو دنیا بطور نظیر استعمال کرتی تھی۔ مجھ کو دونوں فرقوں کے لیڈروں سے امید ہے کہ زہریلے بیرونی اثرات سے حیدرآباد کو محفوظ رکھنے کی ممکنہ سعی کیجائیگی اور اسکی بنیادی تدبیر یہ ہے کہ اپنے معاملات کو خود آپ طے کرنے کی کوشش کیجانی چاہیئے اور ایک دوسرے پر باہمی اعتماد کرنا چاہیئے۔

حضرات! ہندوستان کے مستقبل کے متعلق حضور والسرائے بہادر کے حالیہ اعلان کے پیش نظر سخت ترین ضرورت اس امر کی تھی کہ سلطنت ابد قرار کی آئندہ آئینی حیثیت کی نسبت جملہ طبقات اور فرقوں کے نمائندے ایک کانفرنس کرکے غور کر لیتے اور حکومت سرکار عالی کو ایک ایسا بالاتفاق غور کردہ مشورہ دیتے کہ حکومت بھی اس پر سنجیدگی کے ساتھ غور کرکے اپنا مسلک معین فرمالیتی مثلاً

(۱) ہندوستان کی خارجی اور دفاعی الیسی کے استقرار میں سلطنت آصفیہ کا کیا حصہ ہوگا۔

(۲) حیدرآباد کی داخلی خودمختاری اور امن عامہ کی حفاظت کی ذمہ داری سے کاملاً عہدہ برا ہونے کے لئے سلطنت آصفیہ کے اختیارات کے موثر استعمال کے لئے کن امور کی ضرورت تھی۔ وہ فرایض اور ذمہ داریاں جو سلطنت آصفیہ کے بین الحکومتی معاہدات کے تحت فریق معاہدہ پر عاید ہوتی ہیں دستور جدید کی تشکیل میں کسکی جانب عود کرینگی۔ بہرحال بہت سے ایسے تنقیحات پیدا ہوتی ہیں جس پر کامل غور وخوص کی ضرورت ہے اس خصوص میں انجمن طیلسانیین عثمانیہ کو بھی اپنی کابینہ میں غور کرنا چاہیئے تھا کیونکہ یہی ملک کی ایک تعلیم یافتہ جماعت کی نمائندگی کرتی ہے دیگر طبقہ جات اور فرقوں کے نمائندوں کو دعوت عمل دینی چاہیئے تھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ جب ہر سچے حیدرآبادی کے پیش نظر ایسے اہم مسائل غور کے قابل ہوں تو اس کو فرقہ وارانہ پلیٹ فارموں کو خیرباد کہکر ایک مشترکہ پلیٹ فارم پر آجانا چاہیئے شخصی اور فرقہ وارانہ اختلافات کو باہمی سمجھوتوں سے جلد ختم کرنا چاہیئے آپس میں اعتماد اور اتحاد کی روح پیدا کرنی چاہیئے جب تک ایکدوسرے پر اعتماد نہ کرینگے اور آپسمیں اتفاق و اتحاد کے وسائل پیدا نہ کرینگے خود کو نقصان اور ملک کو نقصان پہنچانے کے باعث ہونگے۔ خدا کا شکر ہے کہ ایک عرصہ کی خاموشی کے بعد پھر اب گفتگو کے آثار کچھ اُمید افزا نظر آتے ہیں بقول شخصے

"تمام دن کا بھٹکا اگر شام کو گھر واپس آجائے تو بھٹکا نہیں کہلاتا"

خدا سے دُعا ہے کہ اس گفتگو کو کامیاب بنائے اور لیڈروں کو توفیق نیک عطا فرمائے تا کہ دکن کی عظیم الشان سلطنت کو پھر وہی اتفاق و اتحاد کا نظارہ نظر آئے اور مشترکہ تہذیب محفوظ رہ سکے قوم کی کوششوں اور حضرت سُلطان العلوم کے اقبال سے سلطنت آصفیہ اپنا سیاسی مرتبہ حاصل کر سکے۔

جنگ یورپ حضرات! آج ہم نہایت نازک انقلابی دور سے گذر رہے ہیں اس وقت اقطاع یورپ پر جنگ کے شدید بادل منڈلا رہے ہیں۔ اس ہولناک جنگ کے متعلق سیاسیین ایک عرصہ پہلے سے ہی پیش قیاسی کر چکے تھے۔ گذشتہ جنگ عظیم کے بعد بین الاقوامی مجلس کے قیام سے توقع تھی کہ اب دنیا پر امن وامان کا دور دورہ رہیگا اور جنگ عظیم دنیا کی آخری جنگ ہوگی لیکن آمری حکومتیں پرخاش نکالنے کے لئے بے تاب تھیں تا کہ گذشتہ جنگ کے اختتام پر جو صلحنامے ترتیب پائے تھے ان سے پیدا ہونے والی اقتصادی پستی اور قومی ذلت کو کسی نہ کسی طرح رفع کریں جب مجلس بین الاقوام کا اثر ان حکومتوں پر نہ رہا

اور اٹلی نے باوجود مجلس بین الاقوام کی مداخلت کے حبشہ کو ہضم ہی کر لیا اور دوسروں نے چپ سادھ لی تو آمری حکومتوں کی ہمتیں بڑھنے لگیں۔ امن کے حامیوں نے چیکوسلوکیا آسٹریا وغیرہ کی محض دنیا کو جنگ کے پرخطر نتائج سے بچانے کے لئے بھینٹ دیدی لیکن اس پر بھی جوع الارض کے بیمار کی تشفی نہیں ہوئی۔ آخرش متحدین کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوچکا تھا جمہوریت کی حفاظت اور حق و صداقت کے خاطر اعلان جنگ کرنے پر مجبور ہونا پڑا فرانس اور برطانیہ کو تلوار اٹھانی پڑی۔

جیسا کہ آپ حضرات واقف ہیں یہ جنگ فضائی ہولناک جنگ ہے فریقین میں بم شل وغیرہ ہر چیز جائز سمجھی جارہی ہے۔ اس کے اثرات صرف یورپ فرانس برطانیہ تک ہی محدود نہ رہینگے بلکہ تمام عالم اس کے زد سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہیگا! اس جنگ کے متعلق اور اس کے نتائج کے بارے میں پیش قیاسی سردست ناممکن ہے کہ یہ کس قدر طویل جنگ ہوگی اور اس میں کونسی کونسی قوتیں بالآخر صف آرا ہوجائینگی۔

یہ جنگ حق و باطل کی جنگ ہے خدائے ذوالجلال ہمیشہ حق و صداقت کا بول بالا کرتا ہے۔ یہ یقینی ہے کہ برطانیہ اس جنگ سے کامیاب ہوکر نکلیگا یونان جیسی چھوٹی سلطنت سے اٹلی کی پسپائی کیوجہ یہ یقین ہوچلا ہے کہ اس جنگ میں متحدین کی فتح ہوگی۔ البتہ صلح کے بعد جو معاشی معاشرتی اور سیاسی انقلاب ہونگے ان کا کامیابی سے مقابلہ کرنے کے لئے ہم کو ابھی سے ہی تیاری کرلینا چاہیئے۔

خطاب بہ طیلسانیین حضرات! اب میں اپنے علمی برادری انجمن طیلسانیین کیجانب سے ان برادروں کا خاص طور سے شکریہ ادا کرتا ہوں جو اپنی سرکاری اور جامعی مصروفیات کے علاوہ ملک کی علمی خدمات انجام دیتے رہتے ہیں۔ ڈاکٹر سید محی الدین صاحب قادری زور قابل شکریہ ہیں جنہوں نے ادارۂ ادبیات اردو قائم فرماکر اردو ادب کی بڑی خدمت انجام دی اور عالیجناب معلی القاب نواب سالار جنگ بہادر بالقابہ کی سرپرستی میں ایک عرصہ سے گمنامی کے گوشے میں پڑے ہوئے دکنی ادب کے جواہرات اور شہ پاروں کو عام طور سے روشناس کروایا۔

اسی طرح توقع ہے کہ جامعہ عثمانیہ کے گوہر شب چراغ ڈاکٹر رضی الدین صاحب کی زیر قیادت انجمن ترقی اردو بھی خوب کام کریگی۔

طیلسانی بھائیو!! فارغ التعلیم سپوتوں سے یہ ضرور عرض کرونگا کہ آپ سے ہمیشہ بجا طور پر اسکی توقع کیجاتی ہے کہ آپ ہر مسئلہ پر آزادانہ اور سنجیدگی سے غور فرمائیں۔ افراط و تفریط سے علیحدہ رہیں اور آزاد پیشوں اور صنعت و حرفت زراعت کی طرف زیادہ توجہ منعطف فرمائیں میں اپنی علمی برادری سے متمنی ہونگا سلطنت آصفی کے بقا اور استحکام کی خاطر ہر قربانی کے لئے آمادہ رہے جو ہر شخص کا مقصد حیات ہونا چاہیئے۔

شکریہ حضرات!! میں نے آپکا بہت وقت لے لیا اور آپ سے سمع خراشی کی معافی چاہتا ہوں ایسے موقع پر اگر میں رائٹ آنریبل نواب سر حیدر نواز جنگ بہادر صدر اعظم باب حکومت کا اپنی علمی انجمن کیجانب سے شکریہ نہ ادا کروں تو احسان فراموشی ہوگی جن کے مساعی جمیلہ جامعہ کی ترقی کی ضامن رہے ہیں اور جن سے توقع کامل ہے کہ جن امور کیطرف میں نے اپنے خطبہ میں توجہ دلائی ہے اس طرف نہ صرف ہمدردانہ غور فرمایا جائیگا۔ بلکہ فوری عملی نفاذ کے متعلق بھی توجہ فرمائی جائے گی اسی طرح نواب مہدی یار جنگ بہادر صدر المہام تعلیمات، وفینانس کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ باوجود کثیر مصروفیات کے وقتاً فوقتاً جامعہ کے علمی مجالس میں طلباء کو پند و نصائح فرماکر انکے علمی و اخلاقی معیار میں اضافہ فرماتے رہتے ہیں

حضرات!! آپ سب کے اور انجمن طیلسانیین عثمانیہ کی جانب سے عالیجناب معلی القاب نواب سالار جنگ بہادر کا خیر مقدم کرتا ہوں اور تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ عالیجناب نواب صاحب محترم نے باوجود عدیم الفرصتی آج جلسہ کانفرنس کی افتتاح کی درخواست کو قبول فرماکر نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ کو اظہار تشکر کا موقع عنایت فرمایا۔ نواب صاحب ممدوح الشان حیدر آبادیوں کے لئے محتاج تعارف نہیں۔ آج حیدر آباد کے نظم و نسق اور اسکی انتظامی تنظیم جو ہر طرف نظر آتی ہے اسی خاندان کے مدبر اعظم نواب سالار جنگ اوّل مرحوم و مغفور کی رہین منت ہے جو اپنے زمانہ کے Gladstone سمجھے جاتے تھے جنکے تدبر قابلیت، فراست کا لوہا نہ صرف حیدر آبادی ہی مانتے تھے بلکہ انگلستان جیسے ملک میں بھی مرحوم ایک بہترین مدبر سمجھے جاتے تھے انہی کے صاحبزادے نواب عماد السلطنت لائق علیخاں مرحوم و مغفور ہیں جس قابلیت اور تدبر سے آپ نے مدار المہامی کی خدمت انجام دی وہ اپنی آپ نظیر ہے۔

نواب سالار جنگ بہادر ثالث بالقابہ نے بھی مدار المہامی کی خدمت جلیلہ نہایت قابلیت کیساتھ
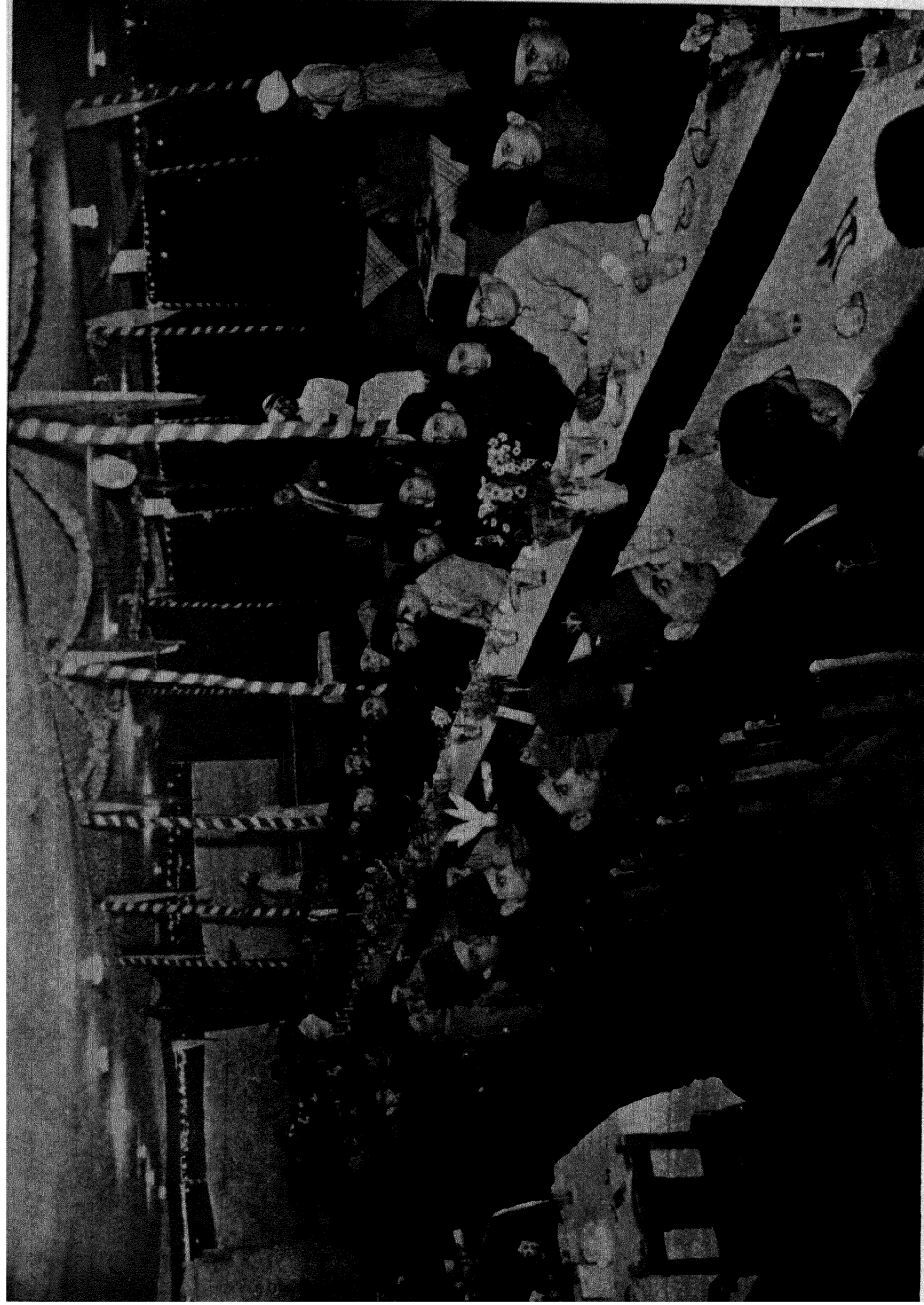
عشائیہ کانفرنس طیلسانین عثمانیہ ۱۳۵۰ ف

انجام دی۔ آپکے زمانہ مدار المہامی میں کئی جدید محکمے قائم کئے گئے اہل ملک کی تعلیم کے بارے میں خصوصیت کیساتھ توجہ کی گئی۔ ابتدا ہی سے نواب صاحب کی توجہ ملک کی صنعتی ترقی کیطرف بھی معطوف رہی مستعد ہونہار طلبہ کو نہ صرف ممالک محروسہ سرکار عالی میں اپنے وظائف سے دستگیری فرمائی بلکہ ہندوستان اور بیرون ہند بھی بغرض تعلیم دست گری فرماکر حوصلہ افزائی فرمائی انجمن طیلسانیین عثمانیہ کی علمی برادری حیدرآباد کے جلیل القدر ذی مرتبت امیر اعظم سے توقع رکھتی ہے کہ نواب صاحب محترم اپنی دریادلی اور فیاضی سے اس ادارہ کی موزوں مکانیت کے مسئلہ میں ضرور بالضرور امداد فرمائینگے۔ اس لئے کہ یہ ادارہ باوجود نو سال سے قدمات انجام دینے کے بلا کسی مرکز کے ہے۔

میں مکرر عالیجناب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے امید کرتا ہوں کہ نواب صاحب محترم کے ہدایات ہمارے لئے باعث رہبری ہونگے۔

دعا انجمن طیلسانیین عثمانیہ کا اس عزت کے لئے مکرر شکریہ ادا کرتا ہوں اور اپنے ناچیز خطبہ صدارت کو اس دعا پر ختم کرتا ہوں کہ اے رب العالمین تو ہمارے بادشاہ جم جاہ حضرت سلطان العلوم مدظلہ العالی کو جن کے سایۂ عاطفت میں ہم امن امان کی زندگی بسر کررہے ہیں جو ہمارے تمام امیدوں اور تمناؤں کا واحد مرکز ہے پوری شان و شوکت کے ساتھ قائم دائم رکھ اور سلطنت آصفیہ کو ہر آفت و مصیبت سے مصئوں رکھ اور شاہزادگان بلند اقبال و شہزادیان فرخ فال کو زیر سایۂ ہمایونی خوش و خرم رکھ۔ آمین ثم آمین

"بیسویں صدی کے سائنسداں سے"

تھا عقل کی غفلت کا تری ایک تقاضا
فطرت کا غضب ظلم و ستم تجھ پہ روا تھا

اب خالق تقدیر ہے تو قادر تدبیر
تو اہل خرد ہے تو ترا کام ہے تسخیر

شاہین کی پرواز جہاں ہو نہیں سکتی
تو جا کے بسا سکتا ہے اک بستی کی بستی

منظور تجھے ہو تو بدل دے رُخ دریا
اک آن میں ہو جائے زمیں دوز ہمالا

بجلی کی بھی تقدیر ترے زیر تحکم
قدموں کے تلے تیرے سمندر کا تلاطم

پر عشق کی محفل میں ترا جام نہیں ہے
الفت کے فسانہ میں ترا نام نہیں ہے

انسان کی سُبکی ہے یہ فطرت کے مقابل
گر موت کو سمجھے کہ وہ ہے لازمی منزل

بھٹکی ہوئی روحوں کو بھی کچھ ضبط سکھا دے
احساس کی دُنیا کے ضوابط بھی بنا دے

دے عالمِ امکان کو حقیقت کی تجلّی
موقوف ہو منشا پہ ترے تیری بقا بھی

اعجاز مسیحائی صفت اپنی بنا لے
ممکن ہے کہ تو موت سے انساں کو بچا لے

جمیل احمد فاروقی
بی ایس سی (عثمانیہ)

سالانہ رپورٹ انجمن طیلسانیین عثمانیہ بابتہ ۱۳۴۹ف

انجمن طیلسانیین عثمانیہ کے قیام کی داغ بیل شہریور ۱۳۴۱ف میں ڈالی گئی اس طرح اب اس کو قائم ہوکر ۹ سال گذر گئے۔

جن مخلص برادروں نے انجمن کی بنیاد رکھی ان کی حسن نیت کہنی چاہیئے کہ انجمن کا استحکام اور عملی جدوجہد کا دائرہ برابر وسعت پذیر ہے اور کام کا یہ سلسلہ اخلاص مندی کے ساتھ خدمت کی نیت سے جاری ہے۔

کابینۂ انجمن ۲۸ آبان ۱۳۴۸ف کو انجمن کے سالانہ انتخابات عمل میں آئے یہ انتخاب انجمن کی تاریخ میں اپنی سرگرمی اور جوش کے لئے ہمیشہ یادگار رہے گا۔ انتخابات کے نتیجہ کی بناء پر حسب ذیل اصحاب کا انتخاب ۱۳۴۹ف کی کابینہ کیلئے عمل میں آیا۔

(۱) عبدالمجید صاحب صدیقی یم اے ال ال بی صدر (۲) محمد عبدالرؤف صاحب بی اے ال ال بی نائب صدر (۳) محمد غوث یم اے ال ال بی معتمد (۴) محمد بدرالدین خاں صاحب شکیب بی اے ال ال بی نائب معتمد (۵) محمد علی صاحب یم اے خازن (۶) محمد کلیم الدین صاحب انصاری ال ال بی رکن کابینہ (۷) سید محمد اکبر وفا قانی صاحب ال ال بی رکن کابینہ (۸) محمد فاروق صاحب بیچ۔سی۔یس رکن کابینہ (۹) سید محمد صاحب بی اے رکن کابینہ (۱۰) نواب میر احمد علی خاں صاحب یم اے ال ال بی رکن کابینہ (۱۱) نواب میر اکبر علیخاں صاحب بی اے ال ال بی، رکن کابینہ (۱۲) محمد یامین صاحب زبیری بی اے ال ال بی رکن کابینہ۔

ڈاکٹر رضی الدین صاحب صدیقی بحیثیت صدر سال گذشتہ کابینہ میں بحیثیت رکن شامل رہے کابینہ نے حسب دستور انجمن رائے ہند راج سکسینہ کو مجلۂ طیلسانیین کی مجلس ادارت کی نمائندگی کیلئے رکن کابینہ منتخب کیا۔ محمد فاروق صاحب نے بوجہ قیام سیلو رکنیت پر کسی دوسرے صاحب کے انتخاب کو

پسند کیا چنانچہ حسب دستورِ انجمن باقی مدت کے لئے کابینہ نے رائے شنکرجی صاحب کو رکن کابینہ منتخب کیا اس تغیر کے سوا کابینہ کی تشکیل میں کوئی دوسرا تغیر عمل میں نہیں آیا۔

پورے سال بھر کے دوران میں کابینہ کے ۲۵ اجلاس منعقد ہوئے اور بعض وقت کئی کئی گھنٹہ کام کا دوران رہا

انجمن کی ملحقہ جماعتیں

انجمن کے کام کو زیادہ کامیابی سے چلانے کیلئے چند ملحقہ جماعتوں کا قیام عمل میں لایا گیا تاکہ طیلسانیین اور غیر طیلسانیین کے اشتراکِ عمل سے صلاح و فلاح ملک کے لئے کام انجام پاسکے یہ تجربہ بہت کامیاب ثابت ہوا۔

واضح ہو کہ بعض ارکان کابینہ نے یہ بحث اُٹھائی تھی کہ دستورِ انجمن میں ایسی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ انجمن کوئی علیحدہ جماعت ایسی قائم کرے کہ جس میں غیر طیلسانی ارکان شریک ہوسکیں اس لحاظ سے یہ تحریک جلسۂ عام میں پیش ہوئی تھی کہ :-

"بہ لحاظ دستورِ انجمن طیلسانیین عثمانیہ انجمن کا جلسہ کسی ایسی کمیٹی قائم کرنے کا مجاز نہیں ہے جسمیں طیلسانیین عثمانیہ کے سوا باہر کا عنصر بھی شریک ہوسکے اس لئے ایسی جو بھی کمیٹیاں قائم ہیں وہ بلحاظ دستور موجودہ غیر آئینی قرار دی جائیں"

جلسۂ عام نے یہ تحریک مسترد کردی۔ بہرحال اسوقت انجمن سے ملحق حسب ذیل مجالس قائم ہیں۔

(۱) عثمانیہ بلدی جماعت (۲) معاشی کمیٹی (۳) جماعت اتحاد و ترقی (۴) مجلس علمیہ

عثمانیہ بلدی جماعت

عثمانیہ بلدی جماعت کی مجلس عاملہ میں ۱۳۴۹ ف کیلئے حسب قواعد جماعت کابینہ نے حسب ذیل ارکان کو نامزد کیا

(۱) ملک شبیر حسین صاحب بی یس سی۔ (۲) جی۔ ایچ بٹ صاحب بی یس سی (۳) رائے مدن موہن لال صاحب بی اے ال ال بی (۴) محمد معین الدین صاحب یم یس سی (۵) صاحبزادہ میر وزیر علی خاں صاحب بی اے ال ال بی

پریم جی صاحب اس کے صدر اور ابوالخیر صاحب صدیقی اس کے معتمد تھے۔

بدوران سال حال عثمانیہ بلدی جماعت کے قواعد میں جلسۂ عام نے بعض ضروری ترمیمات منظور کئے۔ اور قرار دیا کہ نائب صدر اور خازن کا جماعت کے عہدہ داروں میں اضافہ کیا جائے۔

عثمانیہ بلدی جماعت کی جانب سے بلدیہ میں جو ارکان موجود ہیں وہ بلدی سود و بہبود کے کاروبار میں پوری سرگرمی سے منہمک رہے سالِ حال جماعت کے نامزد کردہ اُمیدوار نے نائب صدر کے انتخاب میں کامیابی حاصل کی

البتہ اختتام سال پر نواب میر احمد علیخاں صاحب ایک کارروائی کے ضمن میں احتجاجاً مستعفی ہو گئے اور میر اکبر علی خاں صاحب بیرسٹر جو طیلسانیین کے طبقہ کی نمائندگی کرتے تھے بوجہ مصروفیات دیگر مستعفی ہو گئے۔

معاشی کمیٹی | معاشی کمیٹی کی مجلس عاملہ میں حسب قواعد کمیٹی کابینہ کی جانب سے جو ارکان نامزد کئے گئے وہ حسب ذیل ہیں:-

(۱) نواب میر اکبر علیخاں صاحب بیرسٹر (۲) راے شنکر جی صاحب بی۔اے ال ال بی۔
(۳) محمد کلیم الدین صاحب انصاری بی اے ال ال بی (۴) محمد ناصر علی صاحب یم اے

معاشی کمیٹی کی جانب سے سال حال بھی ممالک محروسہ سرکار عالی کے مصنوعات کی نمائش ہوئی۔
نمائش کے صدر مولوی محمد فاروق صاحب تھے اور معتمد شرف الدین صاحب جو علی الترتیب معاشی کمیٹی کے بھی صدر و معتمد ہیں۔ نمائش کی کامیابی کی دلیل اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ خود اعلیحضرت بندگانعالی متعالی مدظلہ العالی نے تشریف آوری سے نمائش کو رونق بخشی۔ معاشی کمیٹی نے مجلس نمائش کے نام سے ایک علیحدہ جماعت کو قانون کمپنی ہائے سرمایہ مشترکہ سرکار عالی کے احکام کے تحت رجسٹر کرانے کی کارروائی مکمل کر لی ہے۔ معاشی کمیٹی کو بلدیہ حیدرآباد کی جانب سے (۱ــــــ) کی امداد حاصل ہوئی اور باغراض نمائش سرکار عالی نے صنعتی مد محفوظہ سے چار ہزار روپیہ کی امداد فرمائی۔

انجمن کے جلسہ عام نے معاشی کمیٹی کے عہدہ داران میں نائب صدر اور خازن کا اضافہ منظور کیا اور نیز یہ بھی طے کیا کہ سال ماسبق کا صدر معاشی کمیٹی سال مابعد میں رکن مجلس عاملہ رہیگا بشرطیکہ کمیٹی کے کسی دوسرے عہدہ پر وہ دوبارہ منتخب نہ ہوا ہو۔

جماعت اتحاد و ترقی | جماعت اتحاد و ترقی کی مجلس عاملہ میں کابینہ نے بموجب قواعد جماعت مندرجۂ ذیل اصحاب کو نامزد کیا

(۱) غلام محمد خاں صاحب یم۔اے (۲) بی۔ین چوبے صاحب بی اے ال ال بی
(۳) داور حسین صاحب بی اے ال ال بی (۴) محمد علی خاں صاحب بی۔اے

اس جماعت کے صدر میر اکبر علیخاں صاحب بیرسٹر اور معتمد میر زاہد علی صاحب کامل ہیں۔ جماعت اتحاد و ترقی کے دستور العمل پر جلسہ عام نے از سر نو بہت تفصیلی طور سے غور کیا اور متعدد ترمیمات منظور کئے۔

مجلس علمیہ | مجلس علمیہ کے متعلق یہ امر طے کیا گیا کہ اس کی بھی مناسب تنظیم ہونی چاہیے۔ کابینہ نے اس سلسلہ میں

طے کیا کہ چونکہ مجلس علمیہ کی مدت مقررہ پانچ سال گذر چکی ہے اس لئے فی الحال سابقہ ارکان کے ساتھ مجلس علمیہ مزید ایک سال کیلئے قائم رکھی جائے۔ مولوی عبدالرحیم صاحب نے بعض تجاویز پیش کئے تھے وہ بھی مجلس علمیہ کے سپرد تفصیلی غور کیلئے کئے گئے۔ کابینہ نے مجلس علمیہ میں علاوہ سابقہ ارکان کے حسب ذیل مزید ارکان منتخب کئے۔

(۱) مولوی محمد عبدالرحیم صاحب بی اے (۲) محمد کلیم الدین صاحب انصاری بی اے ال ال بی (۳) عبدالقیوم صاحب باقی ایم اے

مولوی محمد عبدالرحیم صاحب اسکے معتمد مقرر کئے گئے توقع ہے کہ اس مجلس کے کاروبار کے متعلق کام کا نیا سلسلہ مضبوطی سے قائم ہو جائے گا۔

مجلۂ طیلسانیین مجلہ طیلسانیین اب راست کابینہ کی نگرانی میں شائع ہوتا ہے اور اس کے استحکام کیلئے پوری کوشش عمل میں لائی جارہی ہے۔

اس کی مجلس ادارت کے متعلق کابینہ نے قرار دیا کہ وہ مجلس علمیہ سے علیحدہ ہوگی۔ مجلس ادارت کے معتمد مولوی محمد عبدالرحیم صاحب بی اے قرار دیئے گئے اور وہی مدیر ذمہ دار۔

مجلہ کے کاروبار کے متعلق اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ جو کہ خود مجلہ کی حالیہ اشاعت کے اداریہ میں لکھا گیا ہے اس کو یہاں دھرانا کافی ہے۔

"مجلہ کے اس شمارہ کی اشاعت میں جو غیر معمولی تاخیر ہوئی اور جو خامیاں اس میں موجود ہیں اسکے متعلق کسی عذر و معذرت کا اظہار عذر گناہ بدتر از گناہ کے مصداق ہوگا۔ مجلہ کی ظاہری اور معنوی خوبیوں میں اضافہ کرنے کے لئے گذشتہ سال جو انتظامات عمل میں لائے گئے ان کے مدنظر توقع تھی کہ طیلسانیین جامعہ عثمانیہ کی موقر برادری کا یہ ترجمان حسن روز افزوں کا مظہر ثابت ہوتا جائیگا لیکن دنیا میں اسباب و علل کا جو سلسلہ دائر ہے اس کی وجہ سے متوقعہ اور متحصلہ نتائج میں ہمیشہ فرق رہا ہے اسی کو ہم بھی اپنی کوتاہیوں کی سپر بناتے ہیں۔"

یہاں یہ امر واضح کرنا البتہ نامناسب نہیں کہ کابینہ کی توجہ اسکے متعلق پوری طرح مبذول ہے اور توقع ہے کہ مجلہ کی بنیاد پوری طرح مضبوط ہو جائیگی۔ مجلہ کے ساتھ ایم اے کے امتحان کے مقالے شائع کئے جاتے ہیں اب تک تین مقالے "اردو ادب بیسویں صدی میں" "عہد ابراہیم عادل شاہ کے متولیان ریاست" "سلطان احمد شاہ بہمنی" مکمل طور سے شائع ہو گئے اب چوتھا مقالہ "موضع دوپلی کی معاشی تحقیق" زیر طبع ہے ان مقالوں کی

طباعت کیلئے یہ کوشش عمل میں لائی گئی تھی کہ جامعہ عثمانیہ سے بطور گرانٹ ان ایڈ اعانت حاصل ہو۔ لیکن ہماری جامعہ میں جہاں سے بیرون ملک کے اداروں کو ہزار ہا روپے کے عطیے ملتے ہیں یہ درخواست درخور اعتنا قرار نہ پائی۔

عارضی کمیٹیاں اس دوران میں کابینہ نے جو عارضی کمیٹیاں قائم کئے ان کے متعلق بھی صراحت ضروری ہے۔

کانفرنس طیلسانیین عثمانیہ منعقدہ اورنگ آباد کی منظورہ تحریک کی تعمیل میں ملازمت کے تعلق سے طیلسانیین عثمانیہ کے حقوق تلف اور نظر انداز جو کرئے جاتے ہیں اسکے متعلقہ جملہ حالات کی تحقیق کیلئے کمیٹی مقرر کیگئی اس کمیٹی کا تفصیلی کام ابھی جاری ہے۔ البتہ کمیٹی اور اسکے داعی کی نشان دہی پر اتلاف حقوق طیلسانیین کے متعلق عدالت العالیہ نظامت کروڑگری دفتر مشیر قانونی کوتوالی بلدہ نظامت طبابت یونانی نظامت معلومات عامہ معتمدی عدالت و کوتوالی امور عامہ معتمدی مالگزاری معتمدی سیاسیات صدر المہامی صرفخاص کو حقیقی اتلاف حقوق کی مثالیں بتا کر توجہ مبذول کرائی گئی۔ سوائے دفتر مشیر قانونی کے کہ جس کا جواب بھی غیر تشفی بخش ہے کسی اور دفتر نے جواب کی زحمت بھی گوارا نہ کی۔ اس مسئلہ پر صدارت عظمیٰ کی توجہ مبذول کرائی گئی وہاں سے البتہ یہ جواب آیا کہ انجمن کا مراسلہ معتمد صاحب سرکار عالی صیغہ فینانس کے پاس حسب الحکم بغرض کارروائی ضابطہ روانہ کیا گیا ہے۔

کابینہ اس سلسلہ میں پورے طور سے متوجہ ہے اور کارروائی کو ختم نہ کردیا جائیگا بلکہ مضبوطی سے بتدریج اس کا سلسلہ بڑھایا جائیگا۔

۲۔ کانفرنس طیلسانیین عثمانیہ منعقدہ اورنگ آباد میں سرکار عالی کو اس امر پر متوجہ کیا گیا تھا کہ نظم و نسق کے اخراجات میں کفایت پیدا کرنا ضروری ہے۔ اس کے متعلق معتمد صاحب فینانس نے انجمن کو مطلع کیا ہے کہ مسئلہ خود سرکار عالی کے زیر غور ہے اس سلسلہ میں انجمن کی جانب سے عملی تعمیری تجاویز پیش کرنے کے لئے ایک کمیٹی قائم کیگئی ہے۔

اس کمیٹی کے کام کے سلسلہ میں صوبجات ہند اور میسور، کوچن و بڑودہ سے ضروری مواد فراہم کرلیا گیا ہے۔ کمیٹی بہت جلد اپنی رپورٹ پیش کریگی۔

۳۔ جامعہ عثمانیہ کی تعطیلات کے متعلق بھی کانفرنس طیلسانیین میں ایک تحریک منظور ہوئی تھی اس تحریک کے سلسلہ میں جامعہ نے انجمن سے رائے طلب کی ہے اس کے متعلق غور کرنے کے لئے کابینہ نے ایک کمیٹی مقرر کی۔

اس کام کے سلسلہ میں بھی ضروری مواد فراہم کرلیا گیا اور کمیٹی نے اپنا کام ختم کردیا اور جامعہ کو

انجمن کی رائے روانہ کی جارہی ہے۔

لسانی کمیٹی پہلے سے جو عارضی کمیٹیاں قائم ہیں ان میں ایک کمیٹی دفاتر سرکار میں زبان سرکاری کے وقار کو مستحکم کرنے کی کوشش عمل میں لانے کی غرض سے قائم ہے۔ اس کمیٹی کی جانب سے ایک یادداشت بڑی تفصیل کے ساتھ مرتب کی گئی اس یادداشت میں یہ بتایا گیا ہے کہ کس کس دفتر میں زبان سرکاری سے کس کس طرح تغافل برتا جاتا ہے یہ یادداشت معتمدی فینانس اور صدارت عظمیٰ پر بغرض توجہ ارسال کی گئی ان دفاتر سے اس کا کوئی جواب نہیں ملا۔ کابینہ کے ایما سے یہ یادداشت مجلۂ طیلسانیین میں شائع کی گئی۔ متعلقہ کمیٹی دوسرے موثر ذرائع عمل میں لانے کیلئے مصروف سعی ہے۔ چنانچہ ایک جلسۂ عام بصدارت جناب نواب اکبر یار جنگ بہادر زمرد محل میں بڑی کامیابی کے ساتھ منعقد ہوا اور مندرجۂ ذیل تحریکات منظور ہوئیں۔

۱۔ "اس جلسۂ عام کی رائے میں یہ امر بہت نامناسب اور مفاد ملک کے مغائر ہے کہ سرکار عالی کے احکام کے خلاف دفاتر سرکاری میں زبان اُردو متروک ہوتی جارہی ہے یہ جلسہ عام سرکار عالی سے استدعا کرتا ہے کہ وہ اس بارے میں انسدادی اور تادیبی احکام نافذ فرما کر زبان سرکاری کے وقار کو مستحکم کرے"۔

۲۔ یہ جلسہ عام اہل ملک کے اس رجحان کو بہت ناپسند کرتا ہے کہ عام طور سے کاروباری اور خانگی اغراض کے لئے اردو کو وہ اہمیت نہیں دی جاتی جتنی کہ وہ ملک کی عام مشترکہ زبان ہونے کے اعتبار سے درحقیقت مستحق ہے۔ یہ جلسۂ عام اہل ملک سے استدعا کرتا ہے کہ وہ اپنے تمام کاروبار میں اردو استعمال کرکے قومی زبان کے وقار کو برقرار رکھیں"۔

پہلی تحریک کے متعلق بہ ایمائے صدارت عظمیٰ معتمدی فینانس سے اطلاع ملی ہے کہ کارروائی زیر غور ہے۔
یہ کمیٹی اب حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس، ادارہ ادبیات اردو، اور انجمن ترقی اردو حیدرآباد کے اشتراک عمل سے اپنے کام کا سلسلہ آگے بڑھا رہی ہے۔

سالانہ کانفرنس سال حال ساتویں سالانہ کانفرنس طیلسانیین عثمانیہ اورنگ آباد میں منعقد ہوئی یہ کانفرنس انجمن کی سرگرمیوں میں سرا مد ثابت ہوئی اعلیحضرت بندگانعالی متعالی کی اجازت خاص سے عالیجناب حضرت صاحبزادہ نواب بسالت جاہ بہادر نے کانفرنس کی افتتاح کیلئے اورنگ آباد کا سفر اختیار فرمایا اور اپنی کرم گستریوں سے

مرہون منت بنایا۔

کانفرنس کی سب کارروائیاں پوری طرح کامیاب ثابت ہوئیں نمائش مصنوعات ملکی اورنگ آباد مشاعرہ عثمانیہ سوشل گیدرنگ ہر مصروفیت زندگی کی مظہر تھی۔

کتب خانہ انجمن انجمن کے کتب خانہ میں کتابوں کا اضافہ برابر عمل میں آرہا ہے اس سال کے دوران میں ۱۲۴ کتابوں کا اضافہ عمل میں آیا — یہ کتابیں جہاں جہاں سے بطور عطیہ حاصل ہوئیں وہ یہ ہیں۔

(۱) عالیجناب نواب سالار جنگ بہادر (۲) سررشتہ معلومات عامہ سرکار عالی (۳) معتمد انجمن (۴) مکتبہ جامعہ ملیہ دہلی یہ کتابیں مجلہ میں تنقید کرنے کیلئے وصول ہوئیں۔ (۵) آگرہ یونیورسٹی (۶) ناگپور یونیورسٹی (۷) معاشی کمیٹی (۸) آندھرا یونیورسٹی (۹) میسور یونیورسٹی (۱۰) بمبئی یونیورسٹی (۱۱) مسلم یونیورسٹی (۱۲) حکومت بڑودہ (۱۳) حکومت کوچین (۱۴) لکھنؤ یونیورسٹی (۱۵) شیخ محبوب صاحب بغرض تنقید (۱۶) سررشتہ تعلیمات (۱۷) دفتر معلومات عامہ سرکار ہند۔ (۱۸) دہلی یونیورسٹی (۱۹) پنجاب یونیورسٹی (۲۰) حکومت میسور (۲۱) سررشتہ تالیف و ترجمہ جامعہ عثمانیہ۔

کچھ کتابیں مصارف نظم ونسق کے متعلق تجاویز پیش کرنے کیلئے خود انجمن نے خریدی ہیں۔ مختلف جامعات ہند سے جو کتابیں وصول ہوئی ہیں وہ ان کی سالانہ رپوٹیں اور موازنہ ہائے سالانہ پر مشتمل ہیں۔

کابینہ نے اب کتب خانہ کا انتظام بی۔ین۔ چوبے صاحب کے سپرد کیا ہے اور موصوف اسکی تنظیم اور توسیع کیلئے مصروف سعی ہیں۔

ارکان انجمن فی الوقت انجمن کے ارکان کی تعداد (۷۲۲) ہے — اس دوران میں اراکین دوامی کی فہرست میں دوسرے نام کا اضافہ ہوا ہے۔ جناب صدر صاحب انجمن عبدالمجید صاحب صدیقی نے (صـہ) ادا فرما کر انجمن کی رکنیت دوامی قبول فرمائی ہے حقیقت یہ ہے کہ جناب موصوف نے خاموش طور سے مسلسل انجمن کی جو اعانت فرمائی ہے وہ بہت قیمتی ہے ان کی رہبری انجمن کے لئے بہت سازگار رہی یوں انجمن کے کاروبار اور اس کے وقار کے استحکام کے لئے جناب عبدالمجید صاحب صدیقی کو جو انہماک ہے وہ ساری طیلسانی برادری کے لئے ایک قابل تقلید مثال ہے۔

کابینہ کی خاص قراردادیں دوران سال میں کابینہ نے بعض خاص مسائل کے سلسلہ میں جو قراردادیں طے کیں وہ یہ ہیں

(۱) جنگ کی وجہ سے اشیاء مایحتاج میں گرانی جو ہو رہی ہے اس کے مدنظر سرکار میں تحریک کی گئی کہ عمال کے لئے الونس گرانی منظور کیا جائے۔

اس کے متعلق معتمد صاحب فینانس سرکار عالی نے مطلع کیا کہ سنہ ۱۳۳۱ف کے نرخوں کے مقابلہ میں ۱۳۴۹ف میں جو نرخ رائج ہے اس کے تناسب سے بہت زیادہ تناسب اس اضافہ کا ہے جو ملازمین کی تنخواہوں میں بوجہ ٹائم اسکیل امرداد سنہ ۱۳۳۱ف سے عمل میں آیا ہے اسلئے گرانی الونس کے دئے جانے کا موقع نہیں ہے۔ و نیز ڈیفنس حیدرآباد ریگولیشن کے تحت گورنمنٹ نے قیمتوں، شرح سود، اور شرح مبادلہ وغیرہ کو قابو میں رکھا ہے جو ۱۹۱۴ کے جنگ کے وقت نہیں تھی لہذا نرخوں کے اب زیادہ بڑھنے کا امکان نہیں ہے لہذا سررشتہ فینانس تحریک بالا کے منظور کرنے سے متعذر ہے۔

اس سلسلہ میں قیمتوں کی نگرانی وغیرہ کے متعلق صوبجات ہند اور بعض اہم ریاستوں سے ضروری مواد فراہم کرلیا گیا ہے۔ کابینہ اس سلسلہ میں مزید کارروائی عمل میں لائیگی۔

۲۔ "کابینہ انجمن حالات جنگ اور اشیاء مایحتاج کی قیمتوں کے اضافہ کی وجہ سے یہ محسوس کرتی ہے کہ مزدوروں کی شرح اجرت میں اضافہ کی ضرورت ہے اور سرکار عالی سے متوقع ہے کہ وہ ضروری ہدایات کے ذریعہ آجرین کو اضافہ شرح اُجرت پر آمادہ فرمائیگی"

معتمد صاحب صنعت و حرفت نے مطلع کیا ہے کہ سرکار کی توجہ اس کے متعلق مبذول ہے۔

۳۔ "نظامیہ طبیہ کالج کے قیام اور حضرت بندگانعالی کے بہ نفس نفیس اس کے افتتاح فرمانے پر جس کی وجہ سے طب یونانی کا احیاء یقینی ہوگیا ہے کابینہ انجمن طیلسانیین عثمانیہ اپنے عمیق جذبات طمانیت و تشکر کا اظہار کرتی ہے کابینہ انجمن اس امر کو تشویش کی نگاہ سے دیکھتی ہے کہ نظامیہ طبی کالج اور صدر دواخانہ یونانی کی منظور شدہ حالیہ اسکیموں میں اہل ملک اور قدیم مدرسہ طبیہ کے کامیاب اطباء کے حقوق بالکلیہ نظرانداز کردیے گئے اور جو اصحاب فنی جائدادوں پر مامور ہوئے ہیں ان کو غیر معین مدت کیلئے بلا کسی شرط کے مامور کیا گیا۔ کابینہ انجمن متوقع ہے کہ آئندہ بمقابل بیرونی اصحاب کے اہل ملک کو ترجیح دی جائیگی اور جو تقررات اب تک ہوچکے ہیں ان پر غور مکرر فرمایا جائیگا"

اس تحریک کو متعلقہ محکموں میں بغرض توجہ فرمائی ارسال کیا گیا لیکن کوئی جواب وصول نہیں ہوا۔

(۴) "کابینۂ انجمن یہ امر محسوس کرتی ہے کہ ملازمت سرکاری میں جن ملازمین کی مدت ختم ہو جاتی ہے ان کو غیر ضروری توسیع دی جاتی ہے اس سے نوجوانوں کے حقوق متاثر ہوتے ہیں بعض وقت ایک خدمت سے سبکدوش ہونے کے بعد پھر کسی دوسری جائداد پر مامور کیا جاتا ہے اس سے نہ صرف حکومت کے مالیہ پر غیر ضروری بار پڑتا ہے بلکہ عام طور پر کارگذار اشخاص کے حقوق متاثر ہو جاتے ہیں اور نظم و نسق پر بُرا اثر پڑتا ہے توقع ہے کہ سرکار عالی اپنے نظم و نسق سے اس قسم کے امور دور کرنے پر توجہ مبذول فرمائیگی"۔

یہ تحریک بھی متعلقہ دفاتر سرکار پر بھیجی گئی لیکن کوئی جواب بصول نہیں ہوا۔

(۵) "کابینۂ انجمن سررشتہ عدالت کے غیر ملکی تقررات پر اپنی گہری تشویش کا اظہار کرتی ہے اور ان تقررات کو ملک کے قابل افراد کی حق تلفی کے مترادف سمجھتی ہے اب جبکہ ملک میں اعلیٰ قانونی قابلیت کے اشخاص کی وافر تعداد موجود ہے ان تقررات سے ان کی حوصلہ افزائی کے بجائے ان میں احساس پستی پیدا ہوتا ہے جس سے عام نظم و نسق پر مضر اثرات مترتب ہونیکا اندیشہ ہے کابینہ کی رائے میں ان خدمات پر تقرر یا ترقی میں ملازمین سررشتہ اور اہل ملک کو بڑا حصہ ملنا چاہیئے۔

اس قرارداد کے ضمن میں بھی کوئی جواب سرکاری دفاتر سے وصول نہیں ہوا۔

(۶) کابینۂ انجمن حکومت سرکار عالی کی توجہ اس امر پر مبذول کراتی ہے کہ نظامت زراعت کے تقرر کا مسئلہ اہل ملک کیلئے نہایت درجہ بےچینی کا باعث ہے اور مفاد ملک کے مدنظر اس جائداد پر ایک ایسے شخص کا تقرر ہونا چاہیئے جو فن زراعت کا اعلیٰ تعلیم یافتہ اور اس کے تمام شعبوں میں کافی تجربہ رکھتا ہو اور ملکی ہو نیز ملکی حالات سے بخوبی واقف ہو ورنہ اندیشہ ہے کہ ملکی اور سررشتہ کے قابل اشخاص کے حقوق تلف ہو جائینگے"۔

اس تحریک کو متعلقہ محکموں میں بھیجا گیا تھا لیکن کوئی جواب وصول نہیں ہوا بعد میں اسی سلسلہ میں کابینۂ انجمن نے مندرجہ ذیل قرارداد طے کی۔

"کابینۂ انجمن طیلسانئین عثمانیہ نے قبل ازیں سرکار عالی کی توجہ اس امر پر مبذول کرائی تھی کہ نظامت زراعت کے تقرر کا مسئلہ اہل ملک کے لئے نہایت درجہ بےچینی کا باعث ہے اور مفاد ملک کے مدنظر اس جائداد پر ایک ایسے شخص کا تقرر ہونا چاہیئے جو فن زراعت کا اعلےٰ تعلیم یافتہ اور اس کے تمام شعبوں میں کافی تجربہ رکھتا ہو اور ملکی ہو

و نیز ملکی حالات سے بخوبی واقف ہوں ورنہ اندیشہ ہے کہ ملکی اور سررشتہ کے قابل اشخاص کے حقوق تلف ہوجائینگے
اب اس سلسلہ میں غالباً یہ امر سرکار عالی کے زیر غور ہے کہ نظامت زراعت کو دو شعبوں میں تقسیم کردیا جائے کابینہ انجمن کی
یہ غور کردہ رائے ہے کہ سرکار عالی کے ایک ہی سررشتہ کو ایک سے زیادہ حصوں میں تقسیم کردینا تا کہ مختلف دعوی داروں
ترقی کی دل جوئی ہوجائے نظم و نسق کے اعلےٰ ترین اغراض کے سراسر منافی ہے اور اخراجات کا بار علیحدہ ہوتا ہے
ابتک جن سررشتوں اور جائدادوں کو مختلف حصوں میں تقسیم کیا گیا خود اس کے نتائج کچھ مفید ملک برآمد نہیں ہوئے بلکہ
مختلف انتظامی خرابیاں پیدا ہوگئیں اس امر کا ثبوت کہ ایک سررشتہ کو مختلف شعبوں میں تقسیم کردینا نظم و نسق کے
بخوش اسلوبی چلنے کیلئے قطعی طور سے ضروری نہیں ہے اس واقعہ سے ملتا ہے کہ سررشتہ تعمیرات میں ایک چیف انجنیر کے
وظیفہ پر سبکدوش ہونے کے بعد حالیہ مقرر کردہ تین چیف انجنیروں کے بجائے دو چیف انجنیر کافی قرار دیئے گئے۔
بہرحال سررشتہ زراعت کے کام کی تقسیم عمل میں آئے تو سررشتہ مذکور کی موجودہ غیر اطمینان بخش حالت میں
نامناسب طور سے اور زیادہ اضافہ ہوجائیگا۔"

(۷) "کابینہ انجمن طیلسانیین نے بارہا سرکار عالی کی توجہ اس جانب مبذول کرائی ہے کہ جن ملازمین کی
مدت ملازمت بوجہ تکمیل ۵۵ سال ختم ہوجاتی ہے۔ انہیں غیر ضروری توسیع نہ دیجائے کیونکہ اس سے نوجوانوں کے
حقوق متاثر ہوتے ہیں اور نظم و نسق پر بُرا اثر پڑتا ہے لیکن اس پر حکومت نے ہمدردانہ غور نہیں فرمایا چنانچہ بعض
سررشتہ جات سرکار عالی میں عہدہ داران اعلیٰ کو مسلسل توسیع دینے کا سلسلہ برابر قائم ہے نیز ایک عہدہ سے سبکدوشی کے
بعد دوسرے عہدہ پر ماموری عمل میں آتی ہے کابینہ انجمن حکومت کی توجہ اس مسئلہ کی طرف منعطف کراتی ہے اور
توقع کرتی ہے کہ آئندہ جو بھی جائدادیں خالی ہوں ان پر ملکیوں کا تقرر عمل میں آئیگا انجمن کے علم میں دو سررشتہ جات
یعنی علاج حیوانات اور سررشتہ کروڑگری کے نظماء عنقریب وظیفہ پر علیحدہ ہونے والے ہیں لہذا توقع ہے کہ
ان جائدادوں پر نوجوان ملکی عہدہ داروں کا تقرر عمل میں لایا جائیگا۔"

اس تحریک کے متعلق بھی متعلقہ دفاتر سے کوئی جواب وصول نہیں ہوا البتہ ناظم صاحب کروڑگیری
وظیفہ حسن خدمت پر سبکدوش ہوگئے۔

(۸) کابینہ انجمن طیلسانیین عثمانیہ ارباب جامعہ عثمانیہ سے پُرزور مطالبہ کرتی ہے کہ خدمت مجلس جامعہ عثمانیہ

جو عنقریب خالی ہو رہی ہے جامعہ عثمانیہ ہی کے ایک طیلسانی کا تقرر کیا جائے کابینہ یہ باور کرتی ہے کہ یہ خدمت بطور حق طیلسانی عثمانیہ کو دیجانی چاہیئے نہ صرف اس لئے کہ عام طور پر ہندوستانی جامعات میں اسی جامعہ کے کسی طیلسانی کو یہ خدمت دیجاتی ہے بلکہ اِس لئے بھی کہ اسوقت ملک میں طیلسانین عثمانیہ کی کافی تعداد موجود ہے جو اس جائداد یا اس سے اعلیٰ خدمت کی اہل ہے۔

کابینہ ارباب جامعہ سے متوقع ہے کہ اس خدمت پر طیلسانین عثمانیہ میں سے تقرر فرمائیگی"۔

جائداد مجلی جامعہ عثمانیہ پر اسی جامعہ کے ایک ممتاز طیلسانی کا جو انتخاب عمل میں آیا ہے وہ طیلسانی برادری کیلئے طمانیت اور مسرت کا موجب ہوا کابینۂ انجمن نے اس پر اپنے تشکر کا اظہار کیا۔

(۹) کابینہ انجمن طیلسانین عثمانیہ نے سرکار عالی کی توجہ متواتر اس امر کی جانب مبذول کرائی ہے کہ ملازمین اور عہدہ داران سرکار عالی کو ۵۵ سال کی عمر کی تکمیل کے بعد توسیع مزید نہ ملنی چاہیئے نیز ایک سررشتہ میں وظیفہ حاصل کرلینے کے بعد کسی دوسرے سررشتہ میں علاوہ وظیفہ کے مزید تنخواہ پر دوبارہ ماموری عمل میں آنا نظم و نسق میں خرابی کا باعث ہوگا اور مستحق کے حقوق متاثر ہونگے لیکن توسیع مزید اور باز ماموری کا سلسلہ مسلسل قائم ہے چنانچہ انجنیرنگ کالج کی صدارت پر ابھی حال میں ایک ایسے صاحب کا تقرر عمل میں آیا ہے کہ جو ایک دوسرے سررشتہ میں وظیفہ پاچکے ہیں اسکی وجہ سے عام طور پر جو بےچینی پیدا ہورہی ہے وہ برابر قوی تر ہوتی جارہی ہے۔ کابینہ انجمن یہ محسوس کرتی ہے کہ اس قسم کے عملدرآمد سے جو بے اطمینانی پیدا ہوگی وہ نظم و نسق کے لئے بہت ضرر رساں ثابت ہوگی سرکار عالی کو اس امر کی جانب اپنی توجہ بطور خاص مبذول کرنی چاہیئے"۔

اس تحریک کے بارے میں کوئی جواب وصول نہیں ہوا۔

(۱۰) "کابینہ انجمن طیلسانین عثمانیہ اس امر کو قطعی طور سے ضروری سمجھتی ہے کہ مڈیکل افیسر جامعہ عثمانیہ کی خدمت پر بطور حق خود جامعہ کے کسی طبی طیلسانی کا تقرر عمل میں آنا چاہیئے اگر اس کے مقابل کمتر سند رکھنے والے کسی صاحب کا اس خدمت پر تقرر عمل میں لائے تو یہ بات بہت ہی استعجاب کے قابل ہوگی کہ ایک ایسی جامعہ جو خود ام بی بی یس کی معیاری ڈگری عطا کرتی ہے اپنے ہی علاقہ میں تقرر کے وقت ایسے اسناد والوں کو بھی قابلِ لحاظ قرار دیتی ہے کہ جو لحاظ سے نہ صرف کمتر درجہ کے ہیں بلکہ ان کا قطعی طور پر جامعہ سے کوئی تعلق نہیں تقررات کے

ایسے مواقع پر جامعہ خود اپنی ہی عطا کردہ اور باہر تعلیم شدہ ڈگری کو نظر انداز کرے تو کوئی بدقسمتی اس سے بڑھکر نہیں ہو سکتی"

معلوم ہوا کہ اس جائداد پر ایک غیر طیلسانی کا تقرر عمل میں آچکا اور ارباب جامعہ نے انجمن کی تحریک کا کوئی جواب نہیں دیا۔

تحریکات کانفرنس کانفرنس کی گذشتہ تحریک کے سلسلہ میں ایک تحریک کلیات جامعہ عثمانیہ میں تحدید طلبار کے متعلق ہے اس کے متعلق مسلسل توجہ دہانی کا سلسلہ جاری ہے اسکے متعلق سال زیر تذکرہ میں کابینہ نے ایک تفصیلی یاد داشت سرکار کی خدمت میں بھیجی جس میں تحدید کے ہر پہلو پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے کابینہ کے ایما سے یہ یادداشت مجلہ طیلسانیین میں شایع کیجا رہی ہے۔

اس مسئلہ کے متعلق ۲۲ شہریور ۱۳۴۹ف کو انجمن کے اہتمام سے ایک جلسہ عام ریڈی ودیالیہ ہال میں زیر صدارت جناب عبدالروف صاحب بی اے ال ال بی نائب صدر انجمن مقرر ہوا اس میں یہ قرار داد منظور ہوئی کہ :-

" باشندگان حیدرآباد کے اس جلسہ عام کی رائے میں کلیات جامعہ عثمانیہ میں داخلہ پر جو تحدید عاید ہے وہ نشر و اشاعت تعلیم کیلئے سد راہ ہے یہ جلسہ عام مجلس اعلیٰ جامعہ عثمانیہ سے درخواست کرتا ہے کہ وہ اس فیصلہ پر نظر ثانی کرکے تحدید کو بالکلیہ منسوخ کردے"

یہ قرار داد وہی سرکار کی خدمت میں بھیجی گئی لیکن تاحال باوجود یاد دہانی کوئی جواب نہیں ملا۔

(۲) ۱۳۴۸ف کی کانفرنس میں ایک سرکاری بنک کے قیام پر توجہ دلائی گئی تھی اور بعد میں مسلسل توجہ دہانی جاری رہی اب بالآخر اسکے قیام کی منظوری صادر ہو چکی ہے اس سلسلہ میں معتمدی فینانس کو توجہ دلائی گئی کہ جن ماہران فن کا تقرر عمل میں آئے انکے شرایط تقرر میں یہ بات مقرر کردی جائے کہ وہ ایک مقررہ مدت کے اندر ملکی اصحاب کی ٹریننگ کا بندوبست عمل میں لائیں اور یہ کہ عاملانہ خدمات پر اہل ملک اور بالخصوص طیلسانیین عثمانیہ کا تقرر عمل میں لایا جائے اور ضروری ٹریننگ کا انتظام کیا جائے تاکہ قیام بنک کے وقت یہ عذر پیدا ہو جائے کہ ملک میں اہل اور تجربہ کار افراد موجود نہیں ہیں اور نیز بنک کے کاروبار اردو میں چلائے جانے کا انتظام کیا جائے۔

معتمدی فینانس سے ان امور کے متعلق یہ جواب ملا کہ بوقت قیام بنک غور کیا جائے گا۔

(۳) کانفرنس ۱۳۴۹ف میں یہ تحریک منظور ہوئی تھی کہ جامعہ عثمانیہ کے مسلمہ مدارس کے اساتذہ کو خانگی طور پر جامعہ کے امتحانات میں شریک ہونے کی اجازت دیجائے واضح ہو کہ کے ماسویٰ دوسرے امتحانات میں پہلے سے اجازت تھی اب مجلس نظار نے ام اے کے لئے بھی اجازت دے دی ہے۔

(۴) ایک اور قرار داد تھی کہ انٹرمیڈیٹ کالج ورنگل میں اردو فارسی کی تعلیم کا انتظام عمل میں لایا جائے۔ کئی سال کی جد و جہد کے بعد اب یہ انتظام کردیا گیا ہے۔ (۵) تاریخ اسلام کانفرنس کی تحریک سے ہی امتحان میٹرک کے

مضامین اختیاری میں شامل کیگئی تھی بعد میں پھر توجہ دلائی جانے پر پھر اس کے متعلق موافق مرام تصفیہ ہو چکا ہے۔

(۶) گذشتہ کانفرنس میں مجلس مشاورت تحصیل معیشت و ملازمت میں انجمن کی نمائندگی کیلئے مطالبہ کیا گیا تھا چنانچہ نمائندگی عطا ہوئی اور اب محمد بدرالدین خاں صاحب شکیب بی۔اے ال ال بی وکیل ہائیکورٹ اس مجلس میں انجمن کی نمائندگی کرتے ہیں۔

جامعہ عثمانیہ کے مابعد طیلسان طلبہ کے محققانہ مقالے

جن کا

ہر کتب خانہ، مدرسہ، دارالمطالعہ اور علمی ادارہ میں موجود رہنا ضروری ہے

۱۔ اُردو ادب بیسویں صدی میں۔ موجودہ صدی کے اردو ادب پر ایک سیر حاصل تنقیدی مقالہ مولفہ سید علی حسین صاحب زیبا ام اے (عثمانیہ) قیمت بارہ آنے (۱۲)

۲۔ عہد ابراہیم عادل شاہ ثانی کے متولیان ریاست۔ عادل شاہی دور تولیت کی بسیط اور محققانہ تاریخ مولفہ سید علی محسن صاحب ام اے (عثمانیہ) قیمت دو روپیے (عہ)

۳۔ سلطان احمد شاہ ولی بہمنی۔ سلطان احمد شاہ ولی بہمنی کی مفصل محققانہ اور مستند تاریخ مولفہ ظہیرالدین صاحب ام اے (عثمانیہ) قیمت ایک روپیہ چار آنے (عہ)

۴۔ موضع دوبیلی کی معاشی تحقیق۔ از محمد ناصر علی صاحب ام اے (عثمانیہ) زیر طبع

اراکین انجمن اور خریداران مجلۂ طیلسانیین سے نصف قیمت
کتب فروشوں کے ساتھ خاص رعایت بغرض سہولت کتابیں
تبادلہ میں بھی دیجاتی ہیں

۱۔ دفتر مجلۂ طیلسانیین (انجمن طیلسانیین عثمانیہ) حیدرآباد دکن اور
۲۔ مکتبۂ ابراہیمیہ حیدرآباد دکن سے دستیاب ہوسکتی ہیں۔

روداد سالانہ مجلس نمائش معاشی کمیٹی حیدرآباد

بابتہ ۱۳۴۹ف

آذر ۱۳۴۷ف میں معاشی کمیٹی (انجمن طیلسانیین عثمانیہ) نے صرف ڈھائی روپیہ کے سرمایہ اور محض نو دن کی مہلت میں مصنوعات ملکی کی پہلی نمائش منعقد کرکے اہل ملک سے تحسین وستایش کا جوگراں مایہ اعتراف حاصل کیا اس کے بعد سے یہ توقع واجبی تھی کہ ہر سال ان اغراض ومقاصد کے تحت نمائش کا انعقاد ہوا کریگا اور اس طرح ملک کی ایک شدید اور اہم ضرورت کی تکمیل کیجائیگی۔

مولوی سید احمد محی الدین صاحب ناظم سررشتہ صنعت وحرفت کی تحریک ودلچسپی کی بنا پر معاشی کمیٹی نے یہ طے کیا کہ مصنوعات ملکی کی ترقی کے سالانہ مظاہرے کی خاطر ایک مستقل مجلس نمائش قائم کی جائے اور اسے بطور سرمایہ مشترکہ کی کمپنی کے قانونی طور پر رجسٹر کرایا جائے اور اس مجلس نمائش کے اغراض ومقاصد یہ ہوں "نمائشوں کے ذریعہ ملک کی معاشی ترقی کیلئے مملکت آصفیہ کے مصنوعات اور قدرتی ذخائر پیداوار کے نمونے اور ان کی کیفیت وحالات اہل ملک کے سامنے پیش کرنا ذخائر اور وسایل سے استفادہ کرنے اور مصنوعات تیار کرنیکے مختلف طریقوں اور ترکیبوں کا عملی مظاہرہ کرنا اور اس طرح ملک میں صنعتی کاروبار کی ترقی کے امکانات کو ظاہر کرنا اور ملکی مصنوعات خریدنے اور استعمال کرنے کا شوق دلانا نیز صناعوں اور تاجروں کی ہمت افزائی کرنا اور ان کو ترغیب دلانا کہ جدید صنعتیں آغاز کریں اور طریقہ ہائے تیاری مصنوعات میں ترقی کیلئے کوشاں ہیں"۔

چنانچہ سال زیر رپورٹ میں مجلس نمائش معاشی کمیٹی کی دفعہ (۲۶) قانون کمپنی ہائے سرمایہ مشترکہ کے تحت رجسٹری عمل میں آئی اور حسب الحکم عالیجناب سر صدر اعظم بہادر باب حکومت سرکار عالی مجلس نمائش معاشی کمیٹی حیدرآباد کا محدود و ذمہ داری کے ساتھ بلا اس کے کہ لفظ محدود اس کے نام کے آخر میں اضافہ کیا جائے و رجسٹر کئے جانے کی اجازت تحت دفعہ (۲۶) قانون کمپنی سرکار عالی دی گئی اور نیز سرمایہ ترقی مصنوعات سرکار عالی (انڈسٹریل ٹرسٹ فنڈ) سے مجلس نمائش کو چار ہزار روپیہ کی امداد عطا کی گئی۔

معاشی کمیٹی کی سرگرمیوں کے اعتراف کے طور پر مجلس بلدیہ حیدرآباد نے اپنے موازنہ سے ڈھائی ہزار روپیہ کی

رقم معاشی کمیٹی کی امداد کیلئے منظور کی اگرچہ کہ ابتدا میں بعض اراکین صاحبان بلدیہ کا یہ خیال تھا کہ ایک نمایش خود بلدیہ کی جانب سے منعقد کی جائے لیکن متفقہ طور پر یہ طے پایا کہ نمایشوں کے انعقاد کا کام معاشی کمیٹی کی جانب سے بہ درجہ احسن انجام پاسکتا ہے اور اس لئے معاشی کمیٹی ہی کو اس کام میں ممکنہ امداد پہونچائی جائے۔

نمایش کی امداد کے سلسلہ میں عالیجناب سر اکبر حیدر نواز جنگ بہادر نے بھی مبلغ ایک صد روپیہ کا گراں قدر عطیہ عطا فرمایا۔ مجلس نمایش کی رجسٹری سے قبل معاشی کمیٹی نے مجلس نمایش کیلئے چالیس ایسے ارکان حاصل کر لئے جنہوں نے سال گزشتہ نمایش کے انعقاد کے سلسلہ میں کارکنان معاشی کمیٹی کا ساتھ دیا تھا یا ان سے نمایش کے اغراض و مقاصد کی تکمیل کی توقع تھی۔

انعقاد و انصرام نمایش کیلئے سب سے اہم کام پیش نامہ نمایش (پراسپکٹس) کی ترتیب کا تھا پیش نامہ کی ترتیب کا کام مولوی خواجہ حمید احمد صاحب بی۔اے کے سپرد کیا گیا۔ جنہوں نے نمایش کی وسعت اور ترقی پذیر خصوصیات کا لحاظ رکھتے ہوئے پیش نامہ کو اس طور پر مرتب کیا کہ وہ نہ صرف اس نمایش کیلئے بلکہ آئندہ نمایشوں کے لئے بھی ایک خاص ضابطہ بن گیا۔ پیش نامہ کے شروع میں ۵۵ شعبہ جات نمایش کے نام ممالک محروسہ سرکار عالی کے زرعی معدنی۔ اور صنعتی وسایل کی اہمیت کے لحاظ سے ترتیب وار درج کئے گئے اور اضلاع کے صناعوں کو مدعو کرنے کیلئے پیش نامے میں متعدد مراعات رکھی گئیں۔ اس کام کی تکمیل میں مولوی سید کلیم اللہ صاحب قادری ایچ۔سی۔ایس نے بھی کافی مدد دی۔ دو ہزار کی تعداد میں اس پیش نامے کی اشاعت عمل میں آئی۔

پیش نامہ کے ساتھ تشہیر اور پروپگنڈے کا کام بھی ایک خاص پروگرام کے تحت شروع کیا گیا نمایش سے متعلقہ لٹریچر اور اشتہارات ایک عرصہ قبل سے مرتب و شایع کئے جاتے رہے۔ چنانچہ ایک نہایت دیدہ زیب اور پراز معلومات سہ رنگی فولڈر اردو اور انگریزی زبان میں دس ہزار کی تعداد میں شائع کروا کر نہ صرف ممالک محروسہ سرکار عالی کے ہر گوشہ میں تقسیم کیا گیا بلکہ ممالک محروسہ سرکار عالی سے باہر بھی اس کی کافی اشاعت عمل میں آئی۔ اور ممالک محروسہ سرکار عالی کے تقریباً تمام اردو اور انگریزی اخبارات میں اس کے اقتباسات شائع کئے گئے بیرونی اخبارات میں ٹائمز آف انڈیا نے خاص طور پر اس کا خیر مقدم کیا اور اکثر بڑی فرموں اور کارخانوں نے اس کو دیکھ کر نمایش میں شرکت کی خواہش ظاہر کی۔

نمایش سے قریب زمانہ میں بڑی سائز میں ایک ہفت رنگی پوسٹر شائع کیا گیا جو ریلوے اسٹیشنوں اور شہر حیدرآباد وسکندرآباد ونیز اضلاع و تعلقات کے مرکزی مقامات پر چسپاں کیا گیا۔ اس کے علاوہ اخبار رہبر دکن میں صفحۂ اوّل پر ممالک محروسہ سرکارعالی کا ایک نقشہ شائع کروادیا گیا جسمیں اضلاع کے صناعون کی آمد کی تیاری اور ان کے نفسیاتی سوالات کو ایک کارٹون کی شکل میں ظاہر کیا گیا۔ جو خاص و عام میں بہت مقبول ہوا۔
تشہیر اور پروپگنڈے کے ان خاص ذرائع کے علاوہ صنعتی مضامین بھی وقتاً فوقتاً شائع کرائے جاتے رہے اور مختلف محکمہ جات سرکارعالی سے اشتراک عمل حاصل کرنے کیلئے مختلف ذرائع اختیار کئے گئے۔ اور اکثر عہدہ داران سرکارعالی سے بالمشافہ طور پر نمایش لیٹریچر کی اشاعت اور تقسیم میں کافی مدد حاصل کی گئی چنانچہ میجر سلاٹر جنرل منیجر ریلوے اور مسٹر آر یم کرافٹن ڈائرکٹر جنرل مال کو جب کمیٹی کا یہ لٹریچر بتایا گیا تو انھوں نے اپنے ماتحتیں کو اسکی فوری تقسیم کیلئے خاص احکام اجرا کئے۔ مسٹر آر۔ یم کرافٹن نے ایک نیم سرکاری کے ذریعہ جملہ تعلقداران اضلاع کو اس کی ہدایت فرمائی کہ وہ صناعوں کو کثیر تعداد میں نمایش میں شرکت کیلئے حیدرآباد روانہ کریں۔
چنانچہ نمایش میں شرکت کی غرض سے اضلاع سے صنّاعوں کی کثیر تعداد حیدرآباد آئی اور ان کی رہائش اور قیام کے لئے یہاں کافی انتظامات کئے گئے۔
اس کے سلسلہ میں نواب مہدی نواز جنگ بہادر ناظم بلدیہ کی اجازت سے صلح سرائے نامپلی میں ان کے قیام کا بلا ادائی کرایہ انتظام ہوا بعض صورتوں میں صناعوں کے عدم استعداد کے مدنظر رقمی امداد بھی کی گئی۔ اضلاع کے صناعوں کو فرنیچر مفت فراہم کیا گیا روانگی کے وقت ان کا جو سامان باقی رہ گیا تھا اس کو فروخت کرادیا گیا توقع ہے کہ سال بہ سال جو ہمت افزا تجربہ ہورہا ہے اس کے مدنظر آئندہ سال اضلاع کے صنّاعوں کی اور بھی اچھی نمائندگی ہوگی۔
مجلس نمایش نے تقسیم کار کی خاطر حسب ذیل ذیلی مجالس مقرر کردی تھیں چنانچہ آخر تک ذیلی مجالس نے بڑی محنت وجانفشانی سے کام انجام دیا ان اراکین نے دن کو دن اور رات کو رات نہ سمجھکر قومی مفاد کے کاموں میں حصّہ لیا ہے ان ذیلی کمیٹیوں میں صدر و معتمد بحیثیت عہدہ شریک تھے۔
(۱) تشہیر کمیٹی (۲) معاشی کانفرنس کمیٹی (۳) اسٹال کمیٹی (۴) انعامات کمیٹی (۵) کمیٹی تفریحات

(۶) حسن کار کمیٹی و دستکاری خواتین (۷) کمیٹی انتظامات روشنی۔ (۸) مظاہرات کمیٹی (۹) مالیاتی کمیٹی و اجرائی ٹکٹ (۱۰) استقبالیہ کمیٹی (۱۱) طعام کمیٹی (۱۲) کمیٹی یوم خواتین۔

افتتاح نمائش کیلئے مجلس عاملہ نمائش نے یہ تصفیہ کیا کہ حضرت شہزادہ والاشان نواب معظم جاہ بہادر سے رسم افتتاح کی استدعا کیجائے اس خصوص میں کمیٹی کا ایک وفد بھی حضرت والاشان کی خدمت میں باریاب ہوا تھا رسم افتتاح ۲۳ رہمن ۱۳۴۹ف کی شام میں ہوا۔ حضرت والاشان بہادر کی خدمت میں مجلس نمائش کیجانب معتمد نمائش مولوی محمد فاروق صاحب یجی۔ سی۔ یس نے سپاس نامہ پیش کیا جس کا شہزادہ ممدوح نے جواب عطا فرمایا سپاس نامہ کے بعد شہزادہ محترم نے نمائش گاہ کے ہر اسٹال کا تفصیلی معائنہ فرمایا۔ نمائش کے جملہ تین حصے کئے گئے ایک وہ حصہ جسمیں تیار شدہ مصنوعات رکھی گئی تھیں دوسرا حصہ ملک کے مختلف مصوروں کے شاہکار تصاویر سے آراستہ تھا تیسرے حصے میں چیزوں کی تیاری اور تفریحات رکھے گئے تھے۔

اس سال نمائش کے ضمن میں مظاہرات کی بھی ابتدا کیگئی کہ اشیاء خام اور مقامی پیداوار سے علی طور سے کن مصنوعات کی تیاری کا امکان ہے اس سلسلہ میں جامعہ عثمانیہ اور نظام کالج کے اساتذہ طلباء شعبۂ کیمیا نیز سرکاری دارالتجربہ کا تعاون عمل حاصل رہا۔ کاغذسازی عطرسازی ظروف سازی تیاری سرکہ برقی طمع دیاسلائی، آتش بازی آئینہ سازی رنگوں کی ساخت اور گیس کے نقاب کی تیاری کے مظاہرے ہوئے۔

سال حال نمائش کے ساتھ مقامی مصوروں کی حسن کاری کو وسیع پیمانہ پر نمایاں کرنے نیز خواتین کی دستکاری کی ہمت افزائی کیلئے ایک ذیلی مجلس قائم ہوئی تھی اس ذیلی مجلس کو حیدرآباد فائن آرٹ اسوسی ایشن کا اتحاد عمل بھی حاصل ہوا اور ایک نہایت اچھا تصویر خانہ قائم ہوسکا جسکی بڑی فیاضانہ سرپرستی حضرت سلطان العلوم خسرو دکن حضرت شہزادگان والاشان اور اہل ملک کی جانب سے ہوئی نمائش میں حصہ لینے والے اصحاب کی سہولت کیلئے ایک رہبر نمائش کی ترتیب بھی عمل میں آئی تھی۔ رہبر نمائش کو بالکل قلیل مہلت میں خواجہ حمید احمد صاحب بی۔ اے نے مرتب کیا اس کتابچہ میں نمائش کے اغراض مقاصد، پہلی نمائش کی مختصر کیفیت سال گذشتہ کی نمائش کے متعلق آراء، حالیہ نمائش کے انتظامات، فہرست مظاہرہ جات، سال گذشتہ کی نمائش کے انعام یافتگان کی فہرست شعبہ تفریحات کے خصوصیات، حالیہ نمائش میں جن صناعوں نے

حصہ لیا ان کی تعداد و فہرست ارکین نمائش کے علاوہ محکمہ جات سرکار عالی اور خانگی ادارہ جات کے اشتہارات وغیرہ تھے
یہ امر قابلِ اظہار ہے کہ اس کے دو اڈیشن ہاتھوں ہاتھ نکل گئے خصوصاً سکندرآباد اوول اور بلارم کے حلقوں میں اسکے
کثیر نسخے حاصل کئے گئے' اخبار رہبر دکن اور رسالہ شہاب نے پہلی مرتبہ صنعتی نمبر شائع کئے جسمیں اچھے تعارفی صنعتی مضامین
شائع ہوئے ــــ تفریحات کی حد تک سال گذشتہ کی طرح مجلس نمائش کو اس پر اصرار رہا کہ جو بھی انتظامات ہوں
وہ ایسے نہ ہوں کہ ان سے نمائش کی اصلی غرض فوت ہو جائے اسی بناء پر ایسی تفریحات مہیّا کی گئیں جو ہم خرما
وہم ثواب کے مصداق تھیں۔ مثلاً کشتی رانی' اونٹ و ہاتھی کی سواری' شہہ زوری' ورزشی کرتب، نشانہ اندازی
اور بیانڈ۔ یہ ظاہر اگر اسراف ہوا تو وہ آتش بازی کی حد تک لیکن اوّل تو اس سے ایک ملکی صنعت کی سرپرستی
ہوئی دوسرے ان بچوں کیلئے جنکی بڑی تعداد نمائش میں اپنے والدین کو لاتی تھی ایک دل بہلائی کا سامان ہوا۔
مردم شناس بیل دلبستگی میں سب سے بازی لے گیا' احاطہ نمائش کی وسعت کے مدنظر دو مقامات پر عارضی نشر گاہوں سے
مختلف اوقات میں موسیقی سے ناظرین نمائش کی دلبستگی ہوتی تھی' نشر گاہ سرکار عالی نے گو افتتاحی تقریب سے
متعلقہ تقاریر نشر کرنے میں بعض دشواریوں کے مدنظر معذرت کرلی لیکن ہماری اکثر اطلاعات کو نشر گاہ سرکار عالی کے
ذریعہ اہل ملک تک پہونچایا بعض تقاریر اور مکالمے بھی نمائش سے متعلق وہاں کے پروگرام میں شریک تھے۔

سال گذشتہ نمائش کے آخری ایام میں پہلی معاشی کانفرنس بہ صدارت مولوی میر محمود علی صاحب لکچرار
معاشیات سٹی کالج منعقد ہوئی تھی لیکن یہ کانفرنس کسی بڑے ہال یا پنڈال میں منعقد نہیں ہوئی بلکہ صناعوں کے
اسٹالوں کے درمیان ایک درخت کے سایہ میں منعقد ہوئی تھی اور صناعوں میں اس امر کا تبادلہ خیال ہوا کہ کس طرح
مصنوعات کو ترقی دیجا سکتی ہے۔

اس سال معاشی کانفرنس احاطہ نمائش گاہ میں بتاریخ ۱۷ اسفندار ۱۳۴۹ف منعقد ہوئی مولوی سید پادشاہ حسینی صاحب کے
تلاوت قرآن مجید کے بعد نواب مہدی یار جنگ بہادر معین امیر جامعہ عثمانیہ نے معاشی کانفرنس کا افتتاح فرمایا۔
مولوی خان فضل محمد خاں صاحب معتمد و کمشنر تحصیل معشیت نے کانفرنس کے پہلے اجلاس کی صدارت فرمائی
محمد فاروق صاحب صدر نمائش نے خطبہ استقبالیہ سنایا اور معتمد معاشی کمیٹی نے سالانہ روداد سنائی پہلے اجلاس
کانفرنس میں عبدالرحمن صاحب سعید صدیقی بی۔ اے (عثمانیہ) نے مسئلہ بے روزگاری۔ نصیرالدین صاحب ہاشمی

(۶) حسن کار کمیٹی و دستکاری خواتین (۷) کمیٹی انتظامات روشنی ۔ (۸) مظاہرات کمیٹی (۹) مالیاتی کمیٹی و اجرائی ٹکٹ (۱۰) استقبالیہ کمیٹی (۱۱) طعام کمیٹی (۱۲) کمیٹی یوم خواتین ۔

افتتاح نمایش کیلئے مجلس عاملہ نمایش نے یہ تصفیہ کیا کہ حضرت شہزادہ والاشان نواب معظم جاہ بہادر سے رسم افتتاح کی استدعا کیجائے اس خصوص میں کمیٹی کا ایک وفد بھی حضرت والاشان کی خدمت میں باریاب ہوا تھا رسم افتتاح ۲۳ بہمن ۱۳۴۹ف کی شام میں ہوا۔ حضرت والاشان بہادر کی خدمت میں مجلس نمایش کیجانب سے معتمد نمایش مولوی محمد فاروق صاحب بی۔ سی۔ یس نے سپاس نامہ پیش کیا جس کا شہزادہ ممدوح نے جواب عطا فرمایا سپاس نامہ کے بعد شہزادہ محترم نے نمایش گاہ کے ہر اسٹال کا تفصیلی معائنہ فرمایا۔ نمایش کے جملہ تین حصے کئے گئے ایک وہ حصہ جسمیں تیار شدہ مصنوعات رکھی گئی تھیں دوسرا حصہ ملک کے مختلف مصوروں کے شاہکار تصاویر سے آراستہ تھا تیسرے حصے میں چیزوں کی تیاری اور تفریحات رکھے گئے تھے ۔

اس سال نمایش کے ضمن میں مظاہرات کی بھی ابتدا کیگئی کہ اشیاء خام اور مقامی پیداوار سے عملی طور سے کن مصنوعات کی تیاری کا امکان ہے اس سلسلہ میں جامعہ عثمانیہ اور نظام کالج کے اساتذہ طلباء شعبۂ کیمیا نیز سرکاری دار التجربہ کا تعاون عمل حاصل رہا۔ کاغذ سازی عطر سازی ظروف سازی تیاری سرکہ برقی ملمع دیا سلائی، آتش بازی، آئینہ سازی رنگوں کی ساخت اور گیس کے نقاب کی تیاری کے مظاہرے ہوئے۔

سال حال نمایش کے ساتھ مقامی مصوروں کی حسن کاری کو وسیع پیمانہ پر نمایاں کرنے نیز خواتین کی دستکاری کی ہمت افزائی کیلئے ایک ذیلی مجلس قائم ہوئی تھی اس ذیلی مجلس کو حیدرآباد فائن آرٹ اسوسی ایشن کا اتحاد عمل بھی حاصل ہوا اور ایک نہایت اچھا تصویر خانہ قائم ہوسکا جسکی بڑی فیاضانہ سرپرستی حضرت سلطان العلوم خسرو دکن حضرت شہزادگان والاشان اور اہل ملک کی جانب سے ہوئی نمایش میں حصہ لینے والے اصحاب کی سہولت کیلئے ایک رہبر نمایش کی ترتیب بھی عمل میں آئی تھی۔ رہبر نمایش کو بالکل قلیل مہلت میں خواجہ حمید احمد صاحب بی۔ اے نے مرتب کیا اس کتابچہ میں نمایش کے اغراض مقاصد، پہلی نمایش کی مختصر کیفیت سال گذشتہ کی نمایش کے متعلق آراء، حالیہ نمایش کے انتظامات، فہرست مظاہرہ جات، سال گذشتہ کی نمایش کے انعام یافتگان کی، فہرست شعبہ تفریحات کے خصوصیات، حالیہ نمایش میں جن صناعوں نے

حصہ لیا ان کی تعداد فہرست ارکین نمائش کے علاوہ محکمہ جات سرکار عالی اور خانگی ادارہ جات کے اشتہارات شائع ہوئے تھے
یہ امر قابل اظہار ہے کہ اس کے دو اڈیشن ہاتھوں ہاتھ نکل گئے خصوصاً سکندرآباد اوال اور بلارم کے حلقوں میں اسکے
کثیر نسخے حاصل کئے گئے، اخبار رہبر دکن اور رسالہ شہاب نے پہلی مرتبہ صنعتی نمبر شائع کئے جسمیں اچھے تعارفی صنعتی مضامین
شائع ہوئے ـــــ تفریحات کی حد تک سال گذشتہ کی طرح مجلس نمائش کو اس پر اصرار رہا کہ جو بھی انتظامات ہوں
وہ ایسے نہ ہوں کہ ان سے نمائش کی اصلی غرض فوت ہو جائے اسی بنا پر ایسی تفریحات مہیا کی گئیں جو ہم خرما
و ہم ثواب کے مصداق تھیں۔ مثلاً کشتی رانی، اونٹ و ہاتھی کی سواری، شہہ زوری، ورزشی کرتب، نشانہ اندازی
اور بیانڈ یہ ظاہر اگر اسراف ہوا تو وہ آتش بازی کی حد تک لیکن اوّل تو اس سے ایک ملکی صنعت کی سرپرستی
ہوئی دوسرے ان بچوں کیلئے جنکی بڑی تعداد نمائش میں اپنے والدین کو لاتی تھی ایک دل بہلائی کا سامان ہوا۔
مردم شناس بیل وستگی میں سب سے بازی لے گیا، احاطہ نمائش کی وسعت کے مدنظر دو مقامات پر عارضی نشر گاہوں سے
مختلف اوقات میں موسیقی سے ناظرین نمائش کی دلبستگی ہوتی تھی، نشر گاہ سرکار عالی نے گو افتتاحی تقریب کے
متعلقہ تقاریر نشر کرنے میں بعض دشواریوں کے مدنظر معذرت کر لی لیکن ہماری اکثر اطلاعات کو نشر گاہ سرکار عالی کے
ذریعہ اہل ملک تک پہونچایا بعض تقاریر اور مکالمے بھی نمائش سے متعلق وہاں کے پروگرام میں شریک تھے۔
سال گذشتہ نمائش کے آخری ایام میں پہلی معاشی کانفرنس بہ صدارت مولوی میر محمود علی صاحب لکچرار
معاشیات سٹی کالج منعقد ہوئی تھی لیکن یہ کانفرنس کسی بڑے حال یا پنڈال میں منعقد نہیں ہوئی بلکہ صناعوں کے
اسٹالوں کے درمیان ایک درخت کے سایہ میں منعقد ہوئی تھی اور صناعوں میں اس امر کا تبادلہ خیال ہوا کہ کس طرح
مصنوعات کو ترقی دیجا سکتی ہے۔

اس سال معاشی کانفرنس احاطہ نمائش گاہ میں بتاریخ ۷، ۸ اسفندار ۱۳۴۹ ف منعقد ہوئی مولوی سید پادشاہ حسینی صاحب کے
تلاوت قرآن مجید کے بعد نواب مہدی یار جنگ بہادر معین امیر جامعہ عثمانیہ نے معاشی کانفرنس کا افتتاح فرمایا۔
مولوی خان فضل محمد خان صاحب معتمد و کمشنر تحصیل معشیت نے کانفرنس کے پہلے اجلاس کی صدارت فرمائی
محمد فاروق صاحب صدر نمائش نے خطبۂ استقبالیہ سنایا اور معتمد معاشی کمیٹی نے سالانہ روئداد سنائی پہلے اجلاس
کانفرنس میں عبدالرحمٰن صاحب سعید صدیقی بی۔ اے (عثمانیہ) نے مسئلۂ بیروزگاری۔ نصیرالدین صاحب ہاشمی

مددگار انسپکٹر جنرل رجسٹریشن نے "عورتوں کی معشیت" خواجہ حمید احمد صاحب بی۔ اے نے "صنعتی اور فنی تعلیم کی ضرورت" اور تجمل حسین صاحب یم۔یس سی نے "ملکی صنعت پر" مقالے سُنائے۔ مولوی خان فضل محمد خاں صاحب نے اپنے خطبۂ صدارت میں ممالک محروسہ سرکار عالی کے معاشی مسائل پر تبصرہ فرماتے ہوئے معاشی کمیٹی کے خوش آئند مستقبل پر کافی روشنی ڈالی اور یہ توقع ظاہر کی کہ یہ کمیٹی حکومت اور عوام کے درمیان آئندہ ایک نمائندہ حیثیت حاصل کریگی" کانفرنس کا دوسرا اجلاس مولوی احمد محی الدین صاحب ناظم تجارت و حرفت سرکار عالی کی صدارت میں منعقد ہوا۔ مسٹر کے۔ بی۔ چاری یم۔ اے نے "حیدرآباد میں انڈسٹریل فینانس اور بنکنگ" پر ایک مقالہ انگریزی میں سُنایا اعجاز حسین صاحب کھٹا نے "غریب کی دنیا" پر نظم سُنائی۔ سالمن بن عمر صاحب نے "جنگ کے معاشی اسباب و نتائج" پر ایک مضمون پڑھا اس کے بعد ڈاکٹر انور اقبال قریشی صاحب صدر شعبۂ معاشیات جامعہ عثمانیہ نے "ہماری معاشیات" پر اپنے خیالات کا اظہار فرمایا بعد ازاں مولوی عارف الدین صاحب معتمد سرکار عالی صیغہ تعمیرات نے "معاشی نظام" سے متعلق تقریر کی ان کے بعد میر محمود علی صاحب یم۔ اے نے "بیدری صنعت کے احیاء اور زوال" سے متعلق تقریر کی اس اجلاس میں بارہ تحریکات پیش اور منظور ہوئیں۔

پہلی نمائش مصنوعات ملکی کے بعد ہی یہ خیال پیدا ہوگیا تھا کہ ہماری نمائش میں نمائش باغبانی اور مرغبانی کے مظاہروں کا اضافہ بھی کیا جائے گو اس کی سال حال تکمیل نہ ہوسکی لیکن سررشتہ زراعت سرکار عالی نے اپنا اسٹال قائم کرکے ایک حد تک اس کی تلافی کی لیکن نمائش کے ختم ہونے سے پہلے سر تھیوڈر ٹاسکر صدر المہام مال و زراعت مولوی سید فضل اللہ صاحب نائب معتمد تنظیم دیہی اور دیگر عہدہ داران سررشتہ زراعت سے صدر نمائش کی جو گفتگو ہوئی اس سے اس امر کا یقین ہوچکا کہ آئندہ سال باغبانی و مرغبانی کے علاوہ علاج حیوانات وغیرہ کے شعبے بھی نمائش میں شامل رہینگے اور نمائش محض صنعتی نمائش نہیں بلکہ بالفاظ لیڈی ٹاسکر ایک ملکی نمائش ہوگی اور اس میں ہماری معاشی زندگی کے ہر شعبہ کی نمائندگی رہیگی۔

شرح ٹکٹ اس سال شام کے وقت بلحاظ نمائش کی وسعت کے (۲ ر) آنے مقرر تھی لیکن صبح میں مثل سال گذشتہ (۱ ر) آنہ ہی مقرر رہا مگر خواتین کی حد تک یہ امر قابل اظہار ہے کہ گو سال گذشتہ کی طرح پہلے یوم خواتین میں ۸ ر آنے شرح ٹکٹ رہی لیکن دوسرے ہفتہ عام مطالبات کی خاطر فی خاتون ۴ ر آنہ اور فی لڑکی

۲ر آنہ ٹکٹ کی شرح مقرر کی گئی۔ تیسرے یوم خواتین میں معلمات اور طالبات کو اس شرح میں بھی نصف کی حد تک رعایت کی گئی یہ اس خیال سے بھی تھا کہ خواتین کو اس طرح کفایت ہوگی وہ مصنوعات کی خریدی میں کام آئے گی چنانچہ جو توقعات تھیں وہ پوری ہوئیں یوم خواتین میں رضا کارانہ طور پر فروخت سامان کیلئے مالکان اسٹال کو جو امداد دی گئی وہ بہت ہی کار آمد ثابت ہوئی۔

اس سال انجمن ترک ایزا رسانی جانوران محکمۂ طبابت و صحت عامہ نیز ادارۂ مرکز بہبودی اطفال کی جانب سے مفید عام نشر و اشاعت کے اسٹال قائم ہوئے سررشتہ بلدیہ نے بھی اپنے مصروفیات کے مظاہرہ کے لئے ایک اسٹال قائم کیا تھا اس نمائش میں جملہ دو سو پانچ (۲۰۵) صنّاعوں نے حصّہ لیا اور سامان صادر بیدبافی کلاہ سازی سرامک ورکس پاٹری ورکس سامان سنگھار وارنش چوڑی سازی آہنی سامان ملز کا ریشمی اور سوتی کپڑا اونی اشیاء کمل سازی کارچوب آری سوزن کاری نمدہ سازی قالین دری سازی صنعت دیاسلائی صنعت چرم شکر سازی صابن سازی بسکٹ مربہ سازی کاغذ سازی سمنٹ سازی قورسازی تیاری عسل و جلیبی سازی رسہ بافی کساری تیلی ظروف و ٹین سازی انامل ورکس ہاتھی دانت صنعت بیدری ہمرو کمخواب برش سازی روغنیات سگریٹ و بیڑی سازی اور گھریلو صنعتوں جیسی نئی نئی صنعتوں نے حصہ لیا۔

تقریباً ساٹھ ہزار معزز خواتین اور اصحاب نے نمائش کا معائنہ کیا اور اندازاً چار لاکھ روپیہ کا سامان فروخت ہوا۔ اس سال مجلس جاگیرداران سے سلسلہ جنبانی ہوئی تھی کہ بطور خاص جاگیری مصنوعات کی نمائندگی کا انتظام مجلسِ مذکور کے اتحادِ عمل سے کیا جائے چنانچہ اس جانب بھی توجہ کی گئی اور اُمید ہے کہ سالِ آئندہ اس سے بہتر مظاہرہ ممکن ہو سکے گا۔ ان متعدد سرکاری سررشتوں کی حد تک جنہوں نے انعقاد نمائش میں ہمارا ہاتھ بٹایا۔ سررشتہ جات صنعت و حرفت و زراعت، جنگلات، معدنیات، رجسٹریشن و اسٹامپ، بلدیہ، حفظان صحت، طبابت، ٹپہ، مالگزاری، آرائش بلدہ، آثار قدیمہ، کوتوالی بلدہ اور امورِ مذہبی قابلِ ذکر ہیں۔

قوت برقی کے سلسلہ میں ناظم صاحب بلدیہ نے اس امر کو قبول کر لیا تھا کہ برقی قوت بلدیہ کو جس رعایتی نرخ سے حاصل ہوتی ہے اسی نرخ سے نمائش کو بھی استفادہ کا موقع دیا جائیگا لیکن اسکے بعد سررشتہ برقی سرکار عالی سے

کی نرخ کا مسئلہ محکمہ فینانس کے توسط سے منظور ہوا اور دو آنے فی یونٹ لیا جانا طے پایا۔

باغ عامہ کی اجازت بارگاہ جہاں پناہی سے بہ کمال عطوفت شاہانہ مرحمت ہوئی جناب مہر علی صاحب فاضل اور مولوی جمال الدین صاحب ناظم باغات نے کمال آمادگی سے کارکنان نمائش کے ساتھ تعاون کیا اور تعین مقامات میں بہت مفید مشورہ دیا۔

مثل سال گذشتہ نواب زین یار جنگ بہادر نے بھی انتظامات نمائش میں ہمارا بڑا ساتھ دیا ورود شاہانہ و نیز حضرت شہزادگان عالی شان و حضرت شہزادی صاحبہ برار و آنریبل مسٹر و مسز گلینسی رزیڈنٹ حیدرآباد کے تشریف فرمائی کے موقعوں پر صاحب موصوف نے ہمارے ہی ایک رفیق کار کی طرح ساتھ دیا۔

جناب معتمد صاحب سیاسیات کے توسط سے نمائش کمیٹی کو چار روز پہلے اطلاع ملی کہ حضرت جہاں پناہ مدظلہ العالی نمائش مصنوعات ملکی میں ۱۱ اسفندار ۱۳۴۹ف بروز چہارشنبہ رونق افروز ہونگے چنانچہ کارکنان نمائش و مالکان اسٹال نے اس قدر پر سرور خبر کو سنکر شبانہ روز کام کرکے نمائش کو از سر نو آراستہ کیا۔ سواری مبارک رونق افروز ہوئی تو کارکنان نمائش اور شاہی اسٹاف کے ارکان نے آداب بجالانے کی سعادت حاصل کی۔ سرور نگر آرفینیج کے بوائے اسکاؤٹس کی بیانڈ کی سلامی قبول فرمائی گئی اولاً انجمن خادم المسلمین کے فرنیچر اور چرم سازی کا کام ملاحظہ فرماکر پسندیدگی کا اظہار ہوا طلبائے انجمن نے ترانہ بھی پڑھا اس کے بعد وشنو میاچ فیاکٹری، ممتاز جام فیکٹری، آلیر سٹیشن ورکس، امیر سوپ فیکٹری اور گلزار دکن تاج و دکن صنعت بیدری کا کام ملاحظہ فرماتے ہوئے پٹن کے قوریاف اور اورنگ آباد ہمرو و سلک کے کارخانوں کے کام اور گیپی ساز ضلع بیڑ کی بابتہ استفسار فرمایا گیا اسکے بعد کارخانہ عثمانیہ کے کارچوبی کام کو پسند فرمایا گیا جہاں غریب لڑکیوں کا مدرسہ دستکاری بھی قائم ہے اسکے بعد تاج کلے ورکس کے اسٹال میں سرکار تشریف فرما ہوئے۔ تجمل حسین صاحب کے ساختہ اینٹوں کا بھی ملاحظہ ہوا بعد ازاں روز بسکٹ ورکس کا کام اور ان کے قدیم و جدید سانچے پیش ہوئے۔ بی۔ ڈبلیو ملز کے نفیس ساڑیاں ملاحظہ فرمائے محمد اینڈ برادرس کا مٹی کا کام پسند فرمایا گیا اور ارشاد ہوا کہ ایک زمانہ میں یہ کام لکھنؤ میں ہوتا تھا اور اب یہاں بہت خوب تیار ہوا ہے مارواڑی مولڈنگ فیاکٹری کا کام ملاحظہ فرماکر ستائش فرمائی اور انڈین ایرن اینڈ اسٹیل ورکس کی تجوریاں اور آہنی فرنیچر کو ملاحظہ فرمایا بعد ازاں دکن اسٹیل ورکس میں روئی سے پانی گرم ہوتے ہوئے ملاحظہ فرمایا گیا۔

سب رس کتاب گھر (ادارۂ ادبیات اردو) اور اعظم اسٹیم پریس کے مطبوعات کا بھی ملاحظہ ہوا انکے پاس کے مطبوعہ تمدن عرب کی بابت ارشاد ہوا کہ کم قیمت ہونے کے باوجود بہترین طبع ہوئی ہے محبوبیہ کارخانہ جلد سازی کے نمونے بھی ملاحظہ سے گذرے اسکے بعد اعظم پرنٹنگ کمپنی کے مالک کی تحریر نظر اقدس سے گذری تو ارشاد ہوا کہ بالکل چھاپہ معلوم ہوتا ہے ہاتھی دانت کا کام بھی پسند فرمایا گیا اسکے بعد مختلف کھلونوں کی دوکانیں ملاحظہ فرمائی گئیں سید عبدالرزاق کیمسٹ کے ادویہ بھی ملاحظہ ہوئے فرخ نگر کے رسباف اور دولت آباد کے نمدہ سازی کے کام کی بابت استفسار فرمایا گیا گولکنڈہ سگریٹ کا اسٹال بھی توجہ شاہانہ سے سرفراز ہوا۔

بنارسی اسٹور پر حضور اقدس کا یہ ارشاد ہوا کہ یہ کام پہلے بنارس سے بھی آتا تھا اب یہاں بننے لگا ہے کارگاہ فروخت مصنوعات سرکار عالی اور نظام شوگر فیکٹری کے سامان کا ملاحظہ فرمانے کے بعد سررشتہ جنگلات کے اسٹال کا بھی تفصیل سے ملاحظہ ہوا۔ شہد کی مکھیوں کی نگہداشت کے متعلق سوال فرمایا گیا پھر معاشی کمیٹی کی جانب سے تیار کردہ قلمرو آصفی کا نقشہ جسمیں مختلف مقامات کی معدنی دولت اور مصنوعات کے مراکز کو واضح کیا گیا تھا اس کو پسند فرمایا گیا اسکے بعد معاشی کمیٹی کے مرکز مصنوعات ملکی میں سامان کا ملاحظہ فرمایا جہاں خواتین کی دستکاری اور ہمارے پست اقوام کے صنعت کے عمدہ نمونے جمع کئے گئے تھے متعدد کشیدہ کاری کے نمونے انتخاب فرمائے گئے اسکے بعد صدر مجلس اتحاد المسلمین کے قائم کردہ تجارت گاہ مصنوعات دکن ملی جاگیر کے کھادی کارخانہ حاجی دادا کے کارچوبی کام سید اسمعیل اینڈ سنس دیسی کاغذ اور صنعتی مدارس و دفتر تعلیم صنعت و حرفت سرکار عالی ملاحظہ فرمانے کے بعد نظامت طباعت کے اسٹال میں رونق بخش ہوئے جہاں مرحوم پکتھال صاحب کے مترجم قرآن کے نسخے ملاحظہ ہوئے اسکے بعد مصنوعات محبس اور دکن ہیر آئل کے اسٹال ملاحظہ فرماتے ہوئے سرکار نے ازراہ عطوفت شاہانہ پنسل اور ملکی کاغذ طلب فرمایا پنسل کے متعلق ارشاد ہوا کہ کیا ابھی تک پنسل سازی کا کام ملک میں جاری نہیں ہوا دکن ٹن فیکٹری کے اسٹال پر اپنے گراں مایہ احساسات کو تحریر فرما کر اسکو صدر اعظم بہادر کے پاس روانہ کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ براحم خسروانہ حسب ذیل الفاظ میں خوشنودی کا اظہار فرمایا۔

"آج ۱۰ ر جنوری سنہ ۱۹۴۲ء میں نے حیدرآباد کی صنعتی نمائش کا معائنہ کیا اور جو کچھ میں نے وہاں (تفصیل کے ساتھ) دیکھا اسمیں مجھے بہت دلچسپی محسوس ہوئی۔

نظم و نسق کے مختلف شعبے بہت ہی جوش مستعدی سے جو مختلف قسم کے کام چلا رہے ہیں اس پر میں حکومت کو مبارکباد دیتا ہوں اور ہر ایک کاروبار کی جس کا مظاہرہ کیا گیا ہے مستقبل میں بڑی ترقی کا متمنی ہوں اس سلسلہ میں معاشی کمیٹی نے

تندہی سے جو تنظیم کا کام کیا ہے اسے بھی میں پسندیدگی کی نظر سے دیکھتا ہوں"۔

حضرت اقدس و اعلیٰ نے ارشاد فرمایا کہ یہ نمائش سالانہ کر دی جائے اور بجائے دو ہفتوں کے جیسا کہ سال گذشتہ اور سال حال کیا گیا ہر سال تین ہفتوں تک جاری رہا کرے۔

مندرجہ بالا تحریر مبارک کا عکس لیا جا کر ہر ایک صناع کو جو نمائش میں شریک ہے عطا کیا جانے ارشاد فرمایا۔

اس کے بعد سرکار نے شعبہ فنون لطیفہ کا ملاحظہ فرمایا اور نظام پلیس وھلی کیلئے متعدد مرقعوں کا انتخاب فرمایا گیا۔

سواری شاہانہ اسکے بعد اسٹال محکمہ بلدیہ برقی آبدارخانہ بلدیہ اسٹال انسداد بیرحمی جانوران اور باٹا شوز کمپنی اور مصنوعات دیال باغ آگرہ کا ملاحظہ فرماتے ہوئے شامیانہ میں قدم رنجہ ہوئی مردم شناس دل کے کمالات کا مظاہرہ ہوا۔ ارکین مجلس نمائش معاشی کمیٹی نے نذرانہ پیش کرنے کی عزت حاصل کی۔ چائے نوشی کے بعد سرکار کی مراجعت عمل میں آئی جیساکہ نواب رحمت یار جنگ بہادر نے بیان فرمایا سرکار کی تشریف فرمائی نے نمائش مصنوعات ملکی میں تازہ جان ڈال دی

۱۱ ر اسفندار ۱۳۴۹ف کو نمائش اختتام کو پہونچی نمائش کا آخری دن انعامات کی تقسیم کی وجہ دلچسپ ہو گیا لیڈی ٹاسکر نے صناعوں کاریگروں اور رضا کاروں کو ایک عظیم الشان مجمع میں انعامات تقسیم کئے۔ نواب دوست محمد خاں صاحب انصاری جاگیردار مولوی جمال الدین صاحب ناظم باغات اور محترمہ حشمت آقتدار اور اکرام نور الحق صاحب نے صناعوں میں تقسیم کئے گئے طلائی تمغہ اور سند عطا کئے۔

رائٹ آنریبل نواب سر صدر اعظم بہادر باب حکومت سرکار عالی نے مجلس وضع قوانین منعقدہ ۴ فرودی ۱۳۴۹ف کی تقریر میں ارشاد فرمایا کہ حضرت اقدس و اعلیٰ کی ان امور میں گہری دلچسپی اس امر سے ظاہر ہوتی ہے کہ ذات شاہانہ نے بہ نفس نفیس اس نمائش مصنوعات ملکی کا معائنہ فرمایا جس کے انعقاد کا سہرا انجمن طیلسانیین عثمانیہ کے سر ہے بندگانعالی کی دلچسپی ان شاہانہ الفاظ سے بھی ظاہر ہوتی ہے جو انہوں نے اس موقع پر تحریر فرمائی اگر ہم سب ملکر حتی الامکان ممالک محروسہ سرکار عالی کی پیداوار اور صنعتوں کو خریدیں تو ہم حقیقی معنوں میں اپنے ملک کے تمول و ثروت میں نمایاں اضافہ کرینگے اسکی دولت باہر بہہ جانے سے روک سکینگے اور اس مملکت کے معاشی نظام کو ایک خوشحال اور خود مکتفی وحدت کے اعتبار سے قوی تر کرینگے۔"

بہرحال اس سال نمائش بہمہ وجوہ کامیاب رہی خدا کا فضل و کرم شامل حال رہے اور ہمارے رفقاء کا خلوص ابے ہوتی کے ساتھ تعاون کریں تو ہر سال بہتر یا لاتر اور بہتر نمائش منعقد ہو سکیگی۔

اس اجمالی رُوداد کے بعد مجلس نمائش کے آمد و خرچ کی تفصیلات ملاحظہ میں پیش ہیں۔

شرف الدین بی۔ اے (عثمانیہ)
اعزازی معتمد مجلس نمائش معاشی کمیٹی

مجلس نمائش معاشی کمیٹی

تختہ آمدنی و خرچ من ابتدائے ۲۸ مہر ۱۳۴۹ف لغایتہ ۳۰ آبان ۱۳۴۹ف

آمدنی	روپیہ - آنہ - پائی	خرچ	روپیہ - آنہ - پائی
چندۂ اراکین	۹ - ۰ - ۰	تنخواہ ملازمین	۱۰ - ۰ - ۰
آمدنی میں کمی کے ذریعہ	۴ - ۸ - ۰	اشتہارات	۳ - ۸ - ۰
	۱۳ - ۸ - ۰		۱۳ - ۸ - ۰

(دستخط)

(۱) سید محمد علی موسوی (صدر مجلس نمائش معاشی کمیٹی)

(۲) تجمل حسین

(۳) ایل۔ این گپتا

(۴) رائے شنکرجی

(۵) خواجہ حمید احمد

(۶) عبدالرحمن سعید صدیقی

(۷) محمد علی

(۸) شرف الدین (اعزازی معتمد)

حسابات کی جانچ کی گئی اور درست پائے گئے

(دستخط) وی۔ کے۔ ڈھگے اینڈ کمپنی

رجسٹرڈ اکونٹس آڈیٹرس

حیدرآباد مورخہ ۵ ستمبر ۱۹۴۱ء

مجلس نمائش معاشی کمیٹی

فرد واصل باقی بتاریخ ۳۰ آبان ۱۳۴۹ ف

سرمایہ و دیون

	روپیہ - آنہ - پائی	روپیہ - آنہ - پائی
ذخیرۂ عام بتاریخ ۲۹ مہر ۱۳۴۹ ف	۳۰۲۹ - ۰ - ۱	
منہائی بڑھی آمدنی	۴ - ۸ - -	
		۳۰۲۵ - ۰ - ۱
قرضہ بتوسط معتمد		۷۷ - ۴ - ۰

ذیلی اخراجات

	روپیہ - آنہ - پائی
فیس تنقیح	۵۰ - ۰ - ۰
رسالہ شہاب	۷۵ - ۰ - ۰
گشتہ دار برقی	۳۹۶ - ۰ - ۰
مظاہرات	۸۸ - ۱۰ - ۲
داخلی معاشی کانفرنس	۳۴ - ۴ - ۰
تاج محلے ورکس	۶۳ - ۰ - ۰
	۷۰۶ - ۱۳ - ۲
میزان	۳۸۰۹ - ۱ - ۳

اثاثہ جائداد و سامان

ملکیت

فرنیچر

	روپیہ - آنہ - پائی	روپیہ - آنہ - پائی
(ا) بہ دفتر مجلس نمائش معاشی کمیٹی	۱۴۶ - ۶ - ۴	
(ب) بہ دکان مرکز مصنوعات ملکی امداد باہمی	۴۰۰ - - - -	
قلم الیم	۲۹۲ - - - -	
اسٹور روم	۱۲۱ - ۳ - ۵	
		۹۵۹ - ۹ - ۹
قرضہ مرکز مصنوعات ملکی امداد باہمی		۴۴۹ - ۸ - ۳
عطیہ وصول طلباء از ٹرسٹ فنڈ		۲۳۹۵ - - - -
نقد در دست		۵ - ۰ - ۶
		۳۸۰۹ - ۲ - ۳

ہم نے فرد واصل باقی کی تنقیح مجلس کے رجسٹرات اور حسابات کی مدد سے کی ہے اور اس سلسلہ میں وہ سب معلومات اور کیفیتیں حاصل کی ہیں جسکی ہمکو ضرورت تھی۔ ہماری رائے میں یہ فرد واصل باقی بالکل صحیح اور قانون کے مطابق مرتب ہوئی ہے۔ ہم نے ممکنہ حد تک مجلس کے رجسٹرات اور بیانات کے ذریعہ اس امر کا اطمینان کرلیا ہے۔ فقط

(شرح دستخط) دی۔ کے۔ ڈھگے۔ اینڈ کمپنی
رجسٹرڈ اکونٹس آڈیٹرس

حیدرآباد مورخہ ۵ سپٹمبر ۴۱ ۱۹ء

(شرح دستخط)

(۱) سید محمد علی موسوی (صدر مجلس نمائش معاشی کمیٹی)
(۲) تجمل حسین
(۳) یل۔ ین۔ گپتا
(۴) رائے بشنا جی
(۵) خواجہ حمید احمد
(۶) عبدالرحمٰن سعید صدیقی
(۷) محمد علی
(۸) شرف الدین (اعزازی معتمد مجلس نمائش معاشی کمیٹی)

اور ایک غیر کارگذار فرد شامل ہے۔ فرض کیجئے دو کارگذار افراد میں ایک جوان مرد ہے اور ایک جوان عورت۔ نیم کارگذار فرد ایک دس برس کا لڑکا ہے۔ اور غیر کارگذار فرد اندرون دو سالہ لڑکی ہے۔

اگر کارگذار مرد کو ۴ر آنے اور کارگذار عورت کو ۲ر ۸ پائی۔ نیم کارگذار فرد کو ۱ر ۳ پائی[۱] (دس برس کے لڑکے کی اوسط اجرت سے زاید نہیں ہوتی) ملیں تو خاندان کی مجموعی آمدنی ۸ر آنے ہوگی۔ اس قلیل آمدنی میں خاندان کی جملہ احتیاجات کی تکمیل ہونی چاہیئے۔ دیگر مجبوریوں مثلاً ادائی سود وغیرہ کے مدنظر ایک خستہ حال خاندان فی یوم فی کس روزآنہ ایک آنہ چھ پائی سے زائد غذا پر صرف نہیں کرسکتا۔[۲] نتیجہ یہ کہ غذا نہ صرف کم پیٹ ملتی ہے بلکہ غیر صحت بخش ہوتی ہے۔ ناکافی اور غیر صحت بخش غذا کے مسلسل استعمال سے والدین کے اعصاب کمزور ہو جاتے ہیں۔ کمزور والدین کی اولاد کمزور پیدا ہوتی ہے اور یہ سلسلہ نسلاً بعد نسلٍ جاری رہتا ہے۔

آئندہ نسل پر اس میں شک نہیں کہ باپ اور ماں ہر دو کے قویٰ کا اثر ضرور پڑتا ہے لیکن مزدوروں کی حد تک ہم کہہ سکتے ہیں کہ بالعموم باپ سے کہیں زیادہ ماں کی بدولت بچے کے قویٰ کمزور ہو جاتے ہیں۔ کیوں کہ مزدور عورتیں اگر ایک طرف محنت شاقہ کرتی ہیں تو دوسری طرف انہیں پیٹ بھر اور صحت بخش غذا بھی نہیں ملتی جب کہ وہ حاملہ رہتی ہیں تو کثرت کار، ناکافی اور غیر صحت بخش غذا کا مخالف اثر حمل (جنین) کی نشو و نما پر پڑتا ہے۔ اور بچہ کمزور پیدا ہوتا ہے۔ تولد کے بعد بھی بچے کی نشو و نما ایک صحت بخش معیار پر نہیں ہوتی جس کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ ماں (جو کہ دودھ پلاتی ہے) کی غذا میں کیلشیم کی معمولی مقدار[۳] (۰٫۶۸ گرامس) بھی نہیں پائی جاتی۔ حالانکہ حاملہ عورتوں

---

[۱] خاص خاص حالات کے تحت مرد اور عورت مزدوروں کی آمدنی اس اجرت سے کم اور زاید بھی ہوسکتی ہے۔ بہ نظر سہولت درمیانی اجرتیں شمار کی گئی ہیں۔

[۲] دوسری فصل میں صفحہ (۲۴) دیکھیئے۔ جس میں فی کس اشیائے خوراک و اخراجات کی وضاحت کی گئی ہے۔ واضح رہے کہ یہاں پر ہم نے لڑکے اور لڑکی کے روزآنہ اخراجات خوراک بھی ۱ر۶ پائی فرض کئے ہیں۔

[۳] ہم نے ایک مرد اور عورت کی ماہانہ غذا کا حساب لگا کر روزآنہ اوسط غذا میں کیلشیم کی مقدار دریافت کی ہے جو کہ ۰٫۵۵ گرامس سے زائد نہیں۔ ہلتھ بلیٹن نمبر (۲۳) مطبوعہ حکومت ہند ۱۹۳۷ء کے صفحہ (۶) پر بتلایا گیا ہے کہ ایک حاملہ یا دودھ پلانے والی عورت کو ۰٫۶۸ گرامس سے بھی زاید مقدار کیلشیم ملنا چاہیئے۔

اور دودھ پلانے والی ماؤں کو معمولی مقدار کیلشیم (۰٫۶۸ گرامس) سے زیادہ مقدار ملنی چاہیئے۔ اگر ماں کو کافی مقدار میں کیلشیم حاصل نہ ہو تو بچہ اس کیلشیم کو چوس لیتا ہے جو کہ ماں کے ہڈیوں میں موجود رہتی ہے جس کی وجہ سے نہ صرف ماں بلکہ بچہ کی صحت خراب ہو جاتی ہے۔ جب کہ بچہ ڈیڑھ ایک سال کا ہو جاتا ہے تو غیر معتدل غذا کی بھرمار شروع کر دی جاتی ہے۔ نتیجہ یہ کہ دیگر اصحاب کے مقابل بچوں کا پیٹ عموماً بڑھ جاتا ہے اور جملہ اعصاب متناسب طور پر بڑھنے نہیں پاتے۔ اس کا اثر آئندہ زندگی پر پڑتا ہے۔ لہٰذا نسل بہت کمزور ہو جاتی ہے اور قوت کارکردگی میں نمایاں فرق ہونے لگتا ہے۔ چنانچہ یہ چیز اب بھی روبہ عمل ہے۔

نہ صرف مزدور بلکہ جملہ باشندوں کی گرتی ہوئی قوت کارکردگی کو سنبھالنے کا مسئلہ بہت ہی اہم اور توجہ طلب ہے۔

پانچویں فصل

زرعی اصل

زرعین عاملین پیدایش میں سے دو اہم عوامل یعنی زرعی زمین اور زرعی محنت کا حال معلوم کرنے کے بعد اب ہم ایک تیسرے عامل یعنی زرعی اصل کا حال بتلائینگے۔ زرعی اصل کو ہم نے دو طرح پر تقسیم کیا ہے۔ (۱) زرعی اصل قائم۔ (۲) زرعی اصل دائر۔ اصل قائم میں (الف) مویشی (ب) آلات زراعت اور (ج) مصنوعی ذرائع آبپاشی کو شامل کیا گیا ہے۔ اصل دائر میں (الف) کھاد اور (ب) تخم شامل ہیں۔ اولاً ہم اصل قائم کے حالات معلوم کرینگے۔

(الف) مویشی

۱۔ زرعی اصل قائم | ۱۳۴۷ف (مطابق ۱۶ر اکتوبر ۱۹۳۷ء تا ۵ر اکتوبر ۱۹۳۸ء) کی جانور شماری[۱] کے مطابق موضع ہذا کے جملہ مویشی ۱۶۹۲ ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ زرعی جانور (۹۷۵)				۲۔ غیر زرعی جانور (۷۱۷)		
(۱) براہ راست مدد دینے والے		بالواسطہ مدد دینے والے				
بیل	بھینسے	گائے	بھینس	مینڈھے وغیرہ	گدھے	گھوڑے
۴۰۵	۶۵	۴۱۶	۸۹	۶۸۰	۳۵	۲
۲۴ فیصد	۴ فیصد	۲۵ فیصد	۵ فیصد	۴۰ فیصد	۲ فیصد	۰.۱ فیصد[۲]

[۱] جانور شماری بذات خود کیگئی ہے۔ [۲] یہ اعداد نظر انداز کردیے گئے ہیں۔

مندرجہ بالا نقشہ سے ظاہر ہو رہا ہے کہ مویشیوں کی تقسیم دو طرح پر کی گئی ہے۔ (۱) زرعی (۲) غیرزرعی
زرعی جانوروں کو پھر دو طرح پر تقسیم کیا گیا ہے۔

(۱) ایک وہ جانور جو زراعت میں براہ راست مدد دیتے ہیں۔ (۲) وہ جانور جو بالواسطہ مدد دیتے ہیں
براہ راست مدد دینے والے جانوروں میں بیل اور بھینسے شامل ہیں۔ بالواسطہ مدد دینے والے جانوروں میں
گائے اور بھینس شامل کئے گئے ہیں۔

بیل سے منجملہ ۵۰۴ بیلوں کے ۱۰۷ یا ۲۶ فیصد جانوروں سے کوئی کام نہیں لیا جاتا اسلئے کہ
ان کی عمر چار سال سے کم ہے باقی ۲۹۸ یا ۷۴ فیصد بیل مصروف کار ہیں۔ لیکن بلحاظ عمر ان کے کام کی نوعیت
جداگانہ ہوتی ہے۔ چار تا سات سال کی عمر تک ٹھیک کام کرتے ہیں۔ سات اور دس سال کی عمر کے
مابین کام کی رفتار نسبتاً سست ہو جاتی ہے۔ دس سال کے بعد یہ رفتار بہت ہی سست ہو جاتی ہے اکثر
جانور تو بالکل از کار رفتہ ہو جاتے ہیں لیکن اس کے باوجود ان سے کام لیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ فوت ہو جاتے ہیں
مصروف کار بیلوں کی ذیل میں عمروار تقسیم کی گئی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان میں بوڑھے جانور کسقدر ہیں۔[۱]

		تعداد	فیصد
الف۔	وہ بیل جنکی عمر ۴ اور ۷ سال کے درمیان ہے	۶۰	۲۰
ب۔	" " " ۷ " ۱۰ " " " "	۱۵۰	۵۰
ج۔	" " " ۱۰ " ۱۳ " " " "	۸۸	۳۰
جملہ	....	۲۹۸	۱۰۰

مندرجہ بالا اعداد سے ظاہر ہو رہا ہے کہ ۳۰ فیصد بیل (جن کی عمر دس اور تیرہ سال کے درمیان ہے)
بوڑھے ہیں۔ یہ بیل نسبتاً بہت ہی لاغر اور کارکردگی کے لحاظ سے گرے ہوئے ہوتے ہیں۔ نہ صرف بوڑھے جانور
نحیف و لاغر پائے جاتے ہیں بلکہ کم عمر جانوروں کی ایک قابلِ لحاظ تعداد بھی پوست و استخوان نظر آتی ہے
بلحاظ ساخت اور قوت کارکردگی ہم نے جملہ مصروف کار بیلوں کی درجہ بندی کی ہے۔

۱ے۔ دس سال بعد جانور کو بوڑھا شمار کیا جاتا ہے۔

اُن جانوروں کو قسم اول میں شامل کیا گیا ہے جو کہ جسیم اور مضبوط ہیں۔ وہ جانور جو کہ متوسط قسم کے ہیں درجہ دوم میں رکھے گئے ہیں۔ جن جانوروں کی حالت بہت ہی خراب ہے انہیں درجہ سوم میں شامل کیا گیا ہے[1] ہماری اس تقسیم کے مطابق منجملہ ۲۹۰ مصروف کار بیلوں کے ۵۰ یا ۱۷ فیصد اول قسم کے ہیں۔ ۱۲۲ یا ۴۱ فیصد دوم قسم کے اور باقی ۱۲۶ یا ۴۲ فیصد سوم قسم کے ہیں۔

قسم اول کے جانوروں کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ دوم اور سوم قسم کے جانوروں کے مقابل بہت جسیم ہوتے ہیں۔ نسبتاً جلد کام کرنے کے قابل ہوتے اور زیادہ عرصہ تک کام کرتے رہتے ہیں۔ مزید براں یہ جانور فی یوم ھل چلائی کا کام بھی زیادہ کرتے ہیں۔ ذیل کے تختہ میں ہم نے بتلایا ہے کہ متذکرہ ہر سہ قسم کے مویشی کس کس عمر میں کام کرنے کے قابل ہوتے ہیں۔ کس عمر تک کام کرسکتے اور روزانہ (فی جوڑ بیل) کسقدر خشک یا تر زمین کی ھل چلائی کرسکتے ہیں۔

قسم بیل	وہ عمر جب کہ وہ کام کرنے کے قابل ہوتے ہیں	کتنے عرصہ تک کام کرسکتے ہیں	فی یوم - فی جوڑ بیل ہل چلائی کی وسعت (گنٹوں میں)	
			تری	خشکی
اول	۴ سال	۹ سال	۳۰ گنٹے[2]	۲۰ گنٹے
دوم	۵ سال[3]	۷ سال	۲۵ گنٹے	۱۵ گنٹے
سوم	۵ سال	۵ سال	۱۵ گنٹے	۱۰ گنٹے

مندرجہ بالا اعداد سے واضح ہے کہ درجہ اول کے مویشی دوم اور سوم قسم کے مویشیوں کے مقابل ہر لحاظ سے بڑھے ہوئے ہیں خصوصاً درجہ اول اور سوم کے مویشیوں کی کارکردگی میں ۵۰ فیصد فرق نظر آتا ہے۔

[1] تصاویر نمبر (۱۱) - (۱۲) اور (۱۳) دیکھئے۔ [2] - ایک یکر ۴۰ گنٹوں کے مساوی ہوتا ہے۔

[3] - اس میں شک نہیں درجہ سوم اور دوم کے بیل پانچ سال کی عمر میں کام کرنے کے قابل ہوتے ہیں لیکن عموماً چار سال کی عمر ہی سے کام لیا جانے لگتا ہے نتیجتاً انکی قوت نسبتاً سرعت کے ساتھ گھٹتی ہے۔

بھینسے ـــــ موضع ہذا میں بھینسوں سے بہت کم کام لیا جاتا ہے۔ چنانچہ ان کی تعداد بھی صرف ۶۵ ہے۔ منجملہ ۶۵ بھینسوں کے ۱۷ یا ۲۶ بھینسے ناقابل کار ہیں اسلئے کہ ان کی عمر ۴ سال سے کم ہے۔ باقی ۴۸ یا ۷۴ فیصد بھینسے مصروف کار ہیں۔ مصروف کار بھینسوں کی عمروار تقسیم حسب ذیل ہے۔

	تعداد	فیصد
الف۔ وہ بھینسے جن کی عمر ۴ اور ۷ سال کے درمیان ہے	۱۱	۲۴
ب۔ " " " ۷ " ۱۰ " " "	۱۸	۳۶
ج۔ " " " ۱۰ " ۱۳ " " "	۱۹	۴۰
جملہ۔	۴۸	۱۰۰

مندرجہ بالا اعداد سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ منجملہ ۴۸ بھینسوں کے ۱۹ یا ۴۰ فیصد بھینسے بوڑھے ہیں۔

بیلوں کی طرح ہم نے بھینسوں (مصروف کار) کی بھی درجہ بندی کی ہے۔ اس درجہ بندی میں بھی انہیں امور کو ملحوظ رکھا گیا ہے جو کہ بیلوں کی درجہ بندی کے پیش نظر تھے۔ منجملہ ۴۸ بھینسوں کے ۲۰ یا ۲۰ فیصد بھینسے درجہ اول کے ہیں۔ ۵ یا ۳۱ فیصد درجہ دوم کے اور باقی ۲۳ یا ۴۹ فیصد درجہ سوم کے ہیں[۱]۔ حسب ذیل اعداد کے ذریعہ بتلایا گیا ہے کہ متذکرہ ہر سہ قسم کے بھینسے کس عمر میں کام کرنے کے قابل ہوتے ہیں کس وقت تک کام کر سکتے اور فی یوم (فی جوڑ) کسقدر خشک یا تر زمین کی ہل چلائی کر سکتے ہیں[۲]۔

بھینسوں کی قسم	وہ عمر جب کہ وہ کام کرنے قابل ہوتے ہیں	کتنے عرصہ تک کام کر سکتے ہیں	فی یوم فی جوڑ ہل چلائی کی وسعت (گنٹوں میں) تری	خشکی
اوّل	۴ سال	۹ سال	۲۰ گنٹے	۲۰ گنٹے
دوم	۵ سال	۷ سال	۱۵ گنٹے	۱۵ گنٹے
سوم	۵ سال	۵ سال	۱۰ گنٹے	۱۰ گنٹے

[۱] تعداد بر کی زیادتی کی وجہ سے بھینسوں کی تصویری توضیح نہیں کی گئی۔

[۲] ان اعداد سے اس امر کی بھی وضاحت ہوتی ہے کہ بھینسوں کے مقابل بیل زیادہ کام کرتے ہیں۔

درجہ اول اور سوم قسم کے بیلوں کی کارکردگی کا مقابلہ کرتے ہوئے ہم نے دیکھا تھا کہ درجہ اول کے بیلوں کے مقابل درجہ سوم کے بیلوں کی کارکردگی تقریباً ۵۰ فیصد گھٹی ہوئی تھی۔ چنانچہ درجہ اول کے بھینسوں کے مقابل درجہ سوم کے بھینسوں کی کارکردگی بھی تقریباً ۲۰ فی صد کم ہے۔

یہاں تک تو ہم نے بیلوں اور بھینسوں کے حالات کا جدا جدا طور پر مطالعہ کیا لیکن اگر ہم بحیثیت مجموعی ان کے حالات کا مطالعہ کریں تو حسب ذیل نتائج برآمد ہونگے۔

	تعداد	فیصد
۱۔ وہ بیل اور بھینسے جن سے کم عمری کی بنا پر کام نہیں لیا جاتا	۱۲۴	۲۶،۴
۲۔ وہ بیل اور بھینسے جو اب مصروف کار ہیں	۳۴۶	۷۳،۶
جملہ	۴۷۰	۱۰۰

منجملہ ۳۴۶ مصروف کار جانوروں کے ۶۰ یا ۱۷ فیصد درجہ اول کے جانور ہیں ۱۳۸ یا ۴۰ فیصد درجہ دوم کے ۱۴۸ یا ۴۳ فیصد درجہ سوم کے۔ اسطرح ہم دیکھ رہے ہیں کہ مصروف کار جانوروں میں کثیر تعداد ان جانوروں کی ہے جن کی کارکردگی بہت ہی خراب ہے۔ نتیجہ یہ کہ ادنیٰ کارکردگی والے مویشیوں اور غیر معاشی اراضیات کی زیادتی کی وجہ سے فی اوتہ (مقامی زبان میں ایک اوتہ ایک جوڑ بیل کو کہا جاتا ہے) کاشت شدہ رقبے کا اوسط گھٹ جاتا ہے۔ چنانچہ ۱۳۴۷ف (مطابق ۱۶ اکتوبر ۱۹۳۷ء تا ۱۵ اکتوبر ۱۹۳۸ء) کے رقبہ مزروعہ (۱۲۱۸) یکر کا لحاظ کرتے ہوئے اوسط مزروعہ رقبہ فی اوتہ ساتھ یکر سے زاید نہیں۔ حالانکہ خود تلنگانے کے بعض اضلاع میں یہ اوسط کافی زاید ہے۔ مثلاً اطراف بلدہ میں اوسط کاشت شدہ رقبہ فی جوڑ مویشی ۱۳،۳ ایکر ہے۔ محبوب نگر میں یہ اوسط ۱۲،۵ ایکر ہے۔ عادل آباد میں ۹ یکر اور کریم نگر و ورنگل میں ۸،۶ یکر ہے۔ اضلاع مرہٹواڑی میں یہ اوسط بہت زیادہ ہے مثلاً عثمان آباد میں ۲۲،۲ یکر ہے ناندیڑ و رائچور میں ۲۰ یکر اور نگ آباد و پربھنی میں ۱۸ ایکر اور گلبرگہ میں ۱۶،۶ ایکر ہے۔ تلنگانہ کے مقابل مرہٹواڑی میں اوسط رقبہ فی جوڑ مویشی زاید ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ تلنگانہ کے مقابل مرہٹواڑی کے بیل بالعموم بہت ہی مضبوط ہوتے ہیں۔

---

[۱]۔ رپورٹ بہائم شماری ممالک محروسہ سرکار عالی بابتہ ۱۳۴۳ف (صفحہ ۱۷)

گائے ـــــــ یہاں تک تو ہم نے ان جانوروں کی تعداد اور کارکردگی کا حال معلوم کیا جو کہ زراعت میں براہ راست مدد دیتے ہیں۔ اب ہم بالواسطہ مدد دینے والے جانوروں (گائے اور بھینس) کے حالات بیان کرینگے۔

سابق میں ہم نے بتلایا ہے کہ گائے اور بھینس زراعت میں بالواسطہ طور پر مدد دینے والے جانور ہیں بھینس کے مقابل گائے کو زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ کیوں کہ گائے زراعت کیلئے بیل پیدا کرنے کا بہت بڑا ذریعہ ہیں۔ کس مقام کی گائیں جسقدر عمدہ ہونگی اسی تناسب سے بیل بھی اچھی قسم کے حاصل ہونگے حقیقت تو یہ ہے کہ بیلوں سے زیادہ گائیوں کی نگہداشت کی جانی چاہیئے کیونکہ اچھی گائیوں سے اچھے بیل حاصل ہوتے ہیں اور اچھے بیلوں سے اچھی زراعت ہوسکتی ہے۔

لیکن اس اہمیت کے باوجود سب سے زیادہ لاپرواہی گائیوں کے ساتھ کیجاتی ہے۔ ان کے رکھ رکھاؤ کا انتظام بہت ہی غیر اطمینان بخش ہوتا ہے۔ یا تو انہیں زیر سما باندھ دیا جاتا ہے یا اس قسم کے سائبان کے نیچے باندھا جاتا ہے جس کا وجود اور عدم دونوں برابر ہے[ف۱]۔ جن اشخاص کے ہاں نسبتاً اچھی قسم کے کوٹھے[ف۲]۔ (کوٹھے سے مراد وہ مقام ہے جہاں جانوروں کو باندھا جاتا ہے۔) ہیں۔ ان میں گائیوں کو اس بری طرح بھر دیا جاتا ہے کہ سانس لینے کو مشکل ہوا مل سکتی ہے۔ نہ صرف گائیوں کے رکھ رکھاؤ میں انتہائی تغافل سے کام لیا جاتا ہے بلکہ انہیں پیٹ بھر چارہ بھی نہیں دیا جاتا۔ یہ فرض کر لیا جاتا ہے کہ گائیں تمام دن جنگل میں چر کر اپنا پیٹ بھر لیتی ہیں۔ حالانکہ یہ مفروضہ کلیتہً صحیح نہیں۔ اسمیں شک نہیں کہ موسم باراں میں جنگل چارے سے بھرے ہوتے ہیں لیکن دیگر موسموں میں بہت کم چارہ دستیاب ہوتا ہے ان حالات کے تحت تقریباً تمام گائیوں کی پرورش نیم شکم غذا پر ہوتی ہے۔ نتیجہ یہ کہ نسلاً بعد نسل گائیوں کی حالت بد سے بدتر ہوتی چلی جا رہی ہے۔ چنانچہ بلحاظ جسامت اور کارکردگی موجودہ گائیوں کی حالت بہت ہی ناگفتہ بہ ہے۔

ف۱۔ دیکھئے تصویر نمبر (۱۸) نہایت ادنیٰ قسم کا کوٹھا۔

ف۲۔ دیکھئے تصویر نمبر (۱۹) نسبتاً بہتر قسم کا کوٹھا۔

بیلوں اور بھینسوں (نر) کی طرح ہم نے گائیوں کی بھی درجہ بندی کی ہے۔ لیکن یہاں بجائے تین کے چار درجے کر دیئے گئے ہیں۔ درجہ چہارم میں ان گائیوں کو رکھا گیا ہے جو کہ بہت ہی لاغر ہوتی ہیں اور جنہیں محض کھاد حاصل کرنے کی خاطر رکھا جاتا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ان گائیوں کے وجود سے قلت چارہ کا مسئلہ اہم تر ہو جاتا ہے منجملہ ۴۱۶ گائیوں کے ۱۴۱ یا ۳۴ فیصد گائیوں کی عمر ۴ سال سے کم ہے۔ باقی ۲۷۵ یا ۶۶ فیصد گائیوں کی عمر چار سال اور اس سے زاید ہے۔ چار سال اور زاید از چار سال عمر والی گائیوں کی درجہ بندی[۱] حسب ذیل ہے۔

	تعداد	فیصد
الف۔ گائے درجہ اول	۱۵	۵
ب۔ گائے درجہ دوم	۷۵	۲۷
ج۔ گائے درجہ سوم	۱۰۵	۳۸
د۔ گائے درجہ چہارم	۸۰	۳۰
جملہ	۲۷۵	۱۰۰

گائیوں کی کارکردگی کا اندازہ اگر ایک طرف مندرجہ صدر اعداد کے ذریعہ سے کیا جا سکتا ہے تو دوسری طرف حسب ذیل اعداد بھی ان کی کارکردگی کو ظاہر کرتے ہیں۔

قسم گائے	روزآنہ دودھ کی تعداد صبح	شام	جملہ	وہ عمر جبکہ بچہ دینے کے قابل ہوتی ہیں	جس عمر تک بچہ دے سکتی ہیں	اپنی زندگی میں کسقدر بچے دیتی ہیں
اول	آدہ سیر	تین پاؤ	سوا سیر	۴	۱۲	۵
دوم	پاؤ سیر	ڈیڑھ پاؤ	ڈھائی پاؤ	۵	۱۱	۴
سوم	-	پاؤ سیر	پاؤ سیر	۵	۱۰	۳

بھینس ـــــ جہاں تک کہ بھینسوں (مونث) کا تعلق ہے ان کی حالت گائیوں کی بہ نسبت کسیقدر ٹھیک ہے۔ وجہ یہ ہے کہ بھینسوں کو مکھن گھی اور دودھ حاصل کرنے کی خاطر رکھا جاتا ہے[۲]۔ اور زیادہ مقدار میں دودھ

[۱] - دیکھئے تصاویر نمبر (۱۴) (۱۵) (۱۶) اور (۱۷) [۲] - گائیوں کو عموماً بیل حاصل کرنے کی خاطر رکھا جاتا ہے۔

حاصل کرنے کی لالچ سے انہیں چارہ کی زیادہ مقدار دی جاتی ہے۔ موسم بارش میں ہری گھاس کاٹ کر ڈالی جاتی ہے جب تک کہ وہ دودھ دیتی ہیں بعض لوگ بنولہ وغیرہ بھی دیتے ہیں۔ ان کے رکھ رکھاؤ کا بھی نسبتاً اچھا انتظام کیا جاتا ہے اور انہیں گائیوں سے علیحدہ باندھا جاتا ہے (عام طور پر اندرون مکان باندھتے ہیں) بحیثیت مجموعی ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہر لحاظ سے گائیوں کے مقابل بھینسوں کی اچھی نگہداشت کی جاتی ہے۔

لیکن ان کی تعداد گائیوں کے مقابل بہت ہی کم ہے۔ جملہ زرعی جانوروں کا لحاظ کرتے ہوئے گائے ۲۵ فیصد ہیں تو بھینس صرف ۵ فیصد یا ۸۹ ہیں۔ منجملہ ۸۹ بھینسوں کے ۴۰ بھینس یا ۴۵ فیصد چار سال سے کم ہیں۔ باقی ۴۹ یا ۶۰ فیصد بھینسوں کی عمر چار سال اور اس سے زاید ہے۔ چار یا چار سال سے زاید عمر والی بھینسوں (۴۹) میں ۳ یا ۶ فیصد بھینس درجہ اول کی ہیں۔ ۲۵ بھینس یا ۵۱ فیصد درجہ دوم کی۔ ۱۶ بھینس یا ۳۳ فیصد درجہ سوم کی۔ ۲ یا ۴ فیصد بھینس درجہ چہارم کی ہیں۔ درجہ چہارم کی بھینسوں میں بالکل ناکارہ بھینس شامل ہیں۔ ذیل کے اعداد میں بتلایا گیا ہے کہ بلحاظ کارکردگی اول۔ دوم اور سوم درجہ کی بھینسوں کا کیا حال ہے۔

قسم بھینس	مقدار دودھ روزآنہ			وہ عمر جبکہ بچہ دینے کے قابل ہوتی ہیں	جس عمر تک بچہ دیتی ہیں	اپنی زندگی میں کسقدر بچے دے سکتی ہیں۔
	صبح	شام	جملہ			
اوّل	ایک سیر	ڈیڑھ سیر	ڈھائی سیر	۴	۱۲	۶
دوم	تین پاؤ	ایک سیر	پونے دو سیر	۵	۱۲	۵
سوم	آدھ سیر	تین پاؤ	سوا سیر	۵	۱۰	۳

بھینس اس میں شک نہیں کہ گائیوں کے مقابل زیادہ دودھ دیتی ہیں لیکن فی بھینس مندرجہ صدر مقدار دودھ بہت ہی معمولی ہے۔ خصوصاً درجہ سوم کی بھینس بہت ہی کم دودھ دیتی ہیں یہی حال انکی قوت تولید کا ہے۔

یہاں تک تو ہم نے زراعت میں براہ راست اور بالواسطہ مدد دینے والے جانوروں کے حالات علیحدہ علیحدہ طور پر بیان کئے لیکن اب ہم بحیثیت مجموعی یہ بیان کرینگے کہ منجملہ ۹۷۵ زرعی جانوروں کے کتنے جانور غیر کارگذار ہیں

اور کتنے کارگذار - کارگذار جانوروں میں کتنے جانور اول - دوم اور سوم درجہ کے ہیں -

۹۷۵ زرعی جانوروں کے منجملہ ۳۸۷ یا ۳۹ر۷ فیصد جانور غیر کارگذار ہیں - جن کی تفصیل حسب ذیل ہے

وجہ غیر کارگزاری	بیل		بھینسے		گائے		بھینس		جملہ	
	تعداد	فیصد	تعداد	فیصد	تعداد	فیصد	تعداد	فیصد	تعداد	فیصد
کم عمری	۱۰۷	۱۰ر۹	۱۷	۱ر۷	۱۴۱	۱۴ر۶	۴۰	۴ر۱	۳۰۵	۳۱ر۳
زیادتی عمر وغیرہ	.	.	.	.	۸۰	۸ر۲	۲	۰ر۲	۸۲	۸ر۴
میزان جملہ	۱۰۷	۱۰ر۹	۱۷	۱ر۷	۲۲۱	۲۲ر۸	۴۲	۴ر۳	۳۸۷	۳۹ر۷

(عنوان جدول: غیر کارگذار زرعی جانور (۳۸۷))

ان اعداد سے ظاہر ہو رہا ہے کہ ۳۸۷ یا ۳۹ر۷ فیصد غیر کارگذار جانوروں کے منجملہ ۳۰۵ یا ۳۱ر۳ فی صد جانور اسلئے غیر کارگذار ہیں کہ وہ کم عمر ہیں اور باقی ۸۲ یا ۸ر۴ فیصد جانور زیادتی عمر وغیرہ کی وجہ سے غیر کارگزار ہیں - ان ۸ر۴ فیصد جانوروں کے متعلق ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ دیگر جانوروں کیلئے ایک قسم کا بار ہیں - بالفاظ دیگر ان جانوروں کا وجود دیگر جانوروں کیلئے قلت غذا کے مسئلہ کو شدید تر بنا دیتا ہے -

مندرجہ صدر اعداد کے دیکھنے سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ زیادتی عمر وغیرہ کی وجہ سے بیل اور بھینسوں (نر) میں ایک بھی جانور غیر کارگذار نہیں حالانکہ گائیوں اور بھینسوں میں ۸۲ یا ۸ر۴ فیصد جانور غیر کارگذار ہیں - اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کبھی کوئی بیل (مزارعین کی دانست میں) از کار رفتہ ہو جاتا ہے تو اسکو قصاب کے ہاتھ فروخت کر دیا جاتا ہے - برعکس اس کے گائیں از کار رفتہ ہو جانے کے باوجود بھی فروخت نہیں کیجاتیں - وجہ یہ ہے کہ گائے کیلئے کسی خاص قسم کی نگہداشت نہیں کرنی پڑتی کیونکہ وہ جنگل میں چر چگ کر اپنا پیٹ آپ پال لیتی ہے - اور جب تک زندہ رہتی ہے کچھ نہیں تو کھیتوں کیلئے کھاد بہم پہنچاتی ہے - اسلئے گائے کی رہائش بار تصور نہیں کیجاتی - البتہ بیل کو اس طریق پر نہیں رکھا جاتا - بوڑھی اور ناکارہ گائیوں کو فروخت نہ کرنے کی ایک وجہ مذہبی روایات بھی ہیں - وجوہات خواہ کچھ ہوں ۹۷۵ زرعی

جانوروں کے منجملہ ۲،۸ فیصد جانور بالکل ہی از کار رفتہ ہیں۔ مزارعین کے بیان کے مطابق اس میں شک نہیں کہ ان سے گوبر ضرور حاصل ہوتا ہے لیکن یہ کوئی معقول آمدنی نہیں۔

جہاں تک کہ جملہ کارگذار زرعی جانوروں کا تعلق ہے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

کارگذار زرعی جانور (۵۸۸)

درجہ	بیل		بھینسے		گائے		بھینس		جملہ	
	تعداد	فیصد	تعداد	فیصد	تعداد	فیصد	تعداد	فیصد	تعداد	فیصد
اوّل	۵۰	۵،۱	۱۰	۱،۰	۱۵	۱،۶	۶	۰،۶	۸۱	۸،۳
دوم	۱۲۲	۱۲،۴	۱۵	۱،۶	۷۵	۷،۶	۲۵	۲،۵	۲۳۷	۲۴،۳
سوم	۱۲۶	۱۲،۹	۲۳	۲،۲	۱۰۵	۱۰،۰	۱۶	۲،۶	۲۷۰	۲۷،۷
صد جملہ	۲۹۸	۳۰،۴	۴۸	۴،۸	۱۹۵	۱۹،۲	۴۷	۵،۷	۵۸۸	۶۰،۳

اس نقشہ سے ہمیں معلوم ہو رہا ہے کہ ۵۸۸ کارگذار جانوروں کے منجملہ ۸۱ جانور درجہ اول کے ہیں ۲۳۷ درجہ دوم کے اور ۲۷۰ درجہ سوم کے۔ بلحاظ فیصد منجملہ ۶۰،۳ فیصد جانوروں کے ۸،۳ فیصد جانور درجہ اول کے ہیں ۲۴،۳ فیصد درجہ دوم کے اور ۲۷،۷ فیصد درجہ سوم کے۔

اگر ہم مقامی موجودہ حالات کا لحاظ کرتے ہوئے درجہ اوّل کے جانوروں کو معیاری جانور فرض کر لیں (حالانکہ درجہ اول کی گائے اور بھینس اسکے کسی طرح مستحق نہیں) تو ۶۰،۳ فیصد کارگذار جانوروں کے منجملہ صرف ۸،۳ فیصد جانور معیاری اور ۵۲ فیصد غیر معیاری قرار پاتے ہیں جنہیں سے ۲۴،۳ فیصد جانوروں کی کارکردگی مقابلتاً خراب ہے ۲۷،۷ فیصد جانوروں کی بہت ہی خراب ہے۔ ان حالات کے لحاظ سے موضع ہذا کے جانور کے متعلق ہم یہ رائے قائم کر سکتے ہیں کہ بحیثیت مجموعی ان کی کارکردگی بہت ہی ادنیٰ اور معمولی ہے۔

لیکن اب سوال یہ ہے کہ اس ادنیٰ کارکردگی کے کیا وجوہ ہیں۔ ادنیٰ کارکردگی کی سب سے اہم وجہ مویشیوں کی تعداد اور ذرایع چارہ کی غیر متناسب رفتار ترقی ہے۔ جب ہم کسی سال معینہ کو لیکر مویشیوں کی تعداد کا

مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تعداد میں بحیثیت مجموعی اضافہ ہوگیا۔ برعکس اسکے جب چارہ کے ذرائع پر روشنی ڈالی جاتی ہے تو ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ ان میں اس رفتار سے اضافہ نہیں ہوا جس رفتار سے کہ مویشیوں کی تعداد میں زیادتی ہوئی۔ لہٰذا اضافہ مویشیاں اور ذرائع چارہ کی تحدید کی وجہ سے چارہ کا مسئلہ اہم سے اہم تر ہوجاتا ہے۔ ذرائع چارہ کی تحدید کو واضح کرنے کے لئے ہم حسب ذیل جدول سے مدد لینگے۔

سال فصلی	جانور			رقبہ گائرے ران ایکروں میں		
	زرعی	غیر زرعی	جملہ	جملہ	بلحاظ فیصد جانور	فی جانور
۱۳۳۸	۸۸۰	۳۵۱	۱۲۳۱	۳۸۱	۳۱٫۷	۰٫۳۰
۱۳۴۷	۹۷۵	۷۱۷	۱۶۹۲	۳۹۹	۲۳٫۵	۰٫۲۳

مندرجہ بالا جدول سے واضح ہورہا ہے کہ ۱۳۳۸ف (م ۶؍اکتوبر ۱۹۲۸ء تا ۵؍اکتوبر ۱۹۲۹ء) تا ۱۳۴۷ف (م ۶؍اکتوبر ۱۹۳۷ء تا ۵؍اکتوبر ۱۹۳۸ء) کے وقفے میں جانوروں کی تعداد میں (خواہ وہ زرعی ہوں یا غیر زرعی) نمایاں اضافہ ہوگیا ہے۔ ۱۳۳۸ف میں جملہ مویشیوں کی تعداد ۱۲۳۱ تھی۔ دس سال بعد یعنی ۱۳۴۷ف میں ۱۶۹۲ ہوجاتی ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ رقبہ گائرے ران میں اسی تناسب سے اضافہ نہیں ہوا۔ ۱۳۳۸ف میں جب کہ ۱۲۳۱ جانوروں کیلئے ۳۸۱ ایکر رقبہ گائرے ران تھا تو اس تناسب سے ۱۳۴۷ف میں جب کہ جانوروں کی تعداد ۱۶۹۲ ہوگئی تو رقبہ گائرے ران بھی ۵۲۴ ایکر ہونا چاہئے تھا حالانکہ وہ صرف ۳۹۹ ایکر ہے۔ لہٰذا تعداد مویشیان اور رقبہ گائرے ران کی غیر متناسب رفتار ترقی سے ۱۳۳۸ف کے مقابل ۱۳۴۷ف میں اوسط رقبہ گائران فی صد مویشی اور فی جانور گھٹ جاتا ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ تخفیف چارہ کی صورت میں نمودار ہوگا۔

تخفیف چارہ کا دوسرا سبب یہ ہے کہ اجرائی نہر سے قبل (یعنی ۱۳۳۳ف مطابق اکتوبر ۲۴-۱۹۲۳ء سے قبل) جب کہ خشک زمینات نسبتاً زیادہ تھیں اکثر کاشتکاروں کے ہاں ایک یا دو زائد از ضرورت نمبرات ہوتے تھے جن کو محض گھاس کی خاطر چھوڑ دیا جاتا تھا لیکن اب کسانوں کے لئے یہ ناممکن ہے کہ وہ

گھاس کی خاطر کوئی تر زمین چھوڑ رکھیں یا اوسپر چارہ کی فصل اُگائیں کیونکہ خشک زمین کے مقابل تر زمین کی مالگذاری تقریباً پانچ گنی سے لیکر دس گنی تک زیادہ رہتی ہے۔ اجرائی نہر سے قبل بحیثیت مجموعی تمام دیہات میں عموماً ۴۰ تا ۵۰ یکر گھاس کی خاطر رکھے جاتے تھے لیکن نہر جاری ہونے کے بعد عموماً ۲۰ تا ۳۰ یکر اس غرض کیلئے چھوڑے جارہے ہیں۔ (واضح رہے کہ چارہ کی غرض سے صرف وہی کسان اپنے کھیت کا کچھ حصہ چھوڑ رکھتے ہیں جنکے ہاں خشک اراضیات ہیں) حالانکہ مویشیوں کی تعداد میں اضافہ کے ساتھ ساتھ اس رقبہ میں بھی زیادتی ہونی چاہیئے تھی لیکن اسمیں اضافہ کی بجائے ۵۰ تا ۶۰ فیصد تخفیف ہوگئی ہے۔

مزارعین کا بیان ہے کہ اجرائی نہر سے قبل چونکہ خشک اراضیات زیادہ تھیں اسلئے نسبتاً وسیع پیمانہ پر جوار کی کاشت کیجاتی تھی جسکی وجہ سے جانوروں کو کافی مقدار میں کڑبی حاصل ہوتی تھی لیکن نہر جاری ہونیکے بعد سے دھان کی کاشت بہت بڑھ گئی ہے۔ اور جوار کی کاشت میں نمایاں تخفیف (۵۰ فیصد سے زاید) نمودار ہوئی۔ نتیجہ یہ کہ اب کڑبی (جو کہ گھاس کے مقابل بیلوں کے لئے نہایت مقوی چارہ ہے) بہت ہی قلیل مقدار میں حاصل ہوتی ہے جو صرف زراعتی جانوروں کیلئے بھی کافی نہیں ہوسکتی۔ لہذا زراعتی بیلوں کو بیشتر دھان کا گھاس اور کمتر کڑبی دیجاتی ہے۔ ادنیٰ غذا اور کثرت کار کی وجہ سے بیلوں کے قویٰ سرعت کے ساتھ کمزور ہونے لگتے ہیں اور وہ قبل از وقت ناکارہ ہوجاتے ہیں۔ قلت چارہ کی وجہ سے بیلوں کے مقابل بھینسوں کو اور بھینسوں کے مقابل گائیوں کو کم چارہ دیا جاتا ہے۔ اور اسطرح چارہ کی کمی کو پورا کرنے کی کوشش کیجاتی ہے۔ جسکا نتیجہ مویشیوں کی کارکردگی پر پڑتا ہے۔

مویشیوں کی ادنیٰ کارکردگی کی دوسری وجہ ان کے رکھ رکھاؤ کا غیر موزوں انتظام ہے علاج حیوانات کا معقول اور بروقت انتظام نہ ہونے کی بدولت بھی مویشیوں کی کارکردگی متاثر ہوتی ہے۔

بہرطور انسانوں کی کارکردگی کیطرح جانوروں کی کارکردگی کا مسئلہ بھی بہت اہم ہے۔

چھٹی فصل

زرعی اصل بسلسلہ فصل سابق

(ب) آلات زراعت | زرعی اصل قائم کا دوسرا جز زرعی آلات ہیں ۔ ذیل میں ہم مختلف مروجہ آلات زرعی[1] کا حال معلوم کریں گے ۔

١۔ ھل ــــ ھل بہت ہی اہم آلہ زراعت ہے ۔ ھل دو قسم کے ہوتے ہیں ۔ بڑے اور چھوٹے بڑے ھل خشک زمینات میں استعمال کئے جاتے ہیں اور چھوٹے ھلوں کا استعمال تر زمینات کیلئے مختص ہے ۔ ھل چلائی کی بدولت زمین نرم اور ملائم ہوتی ہے ۔

٢ ۔ بکھر ــــ بطور خاص خریف اور ربیع کی زمینات میں استعمال کیا جاتا ہے ۔ اسکے چلانے سے گھاس صاف ہوتی ۔ ڈھیلے پھوٹتے اور زمین ہموار ہوتی ہے ۔

٣ ۔ دورا ــــ دورے بھی دو قسم کے ہوتے ہیں ۔ بڑے اور چھوٹے ۔ بڑے دورے (جنکو پیپے بھی کہا جاتا ہے) کو جوار کے کھیت میں چلایا جاتا ہے ۔ جب کہ پودے ایک دو بالشت اونچے ہو جاتے ہیں اس کی وجہ سے پودوں کے اطراف کی مٹی ملائم ہو جاتی ہے ۔ پودوں کی جڑوں کو پھیلنے کا موقع ملتا ہے پیڑ مضبوط ہوتی ہے اور درخت خوب بڑھتا ہے ۔ انہی فوائد کے پیش نظر مرچ کے پودوں میں چھوٹا دورا چلایا جاتا ہے

٤ ۔ داتری[2] ــــ یہ آلہ تر زمینات کو مسطح کرنے کیلئے استعمال کیا جاتا ہے ۔ مزید براں اس کا

---

[1] ضمیمہ دوم کے صفحہ (٢-٤) پر جملہ مروجہ آلات زرعی کے مماثل انگریزی الفاظ دیے گئے ہیں ۔

[2] دیکھئے تصاویر نمبر (٢٠) اور (٢١) ھل ۔ بکھر ۔ دورے ۔ اور داتری کی وضاحت کی گئی ہے ۔
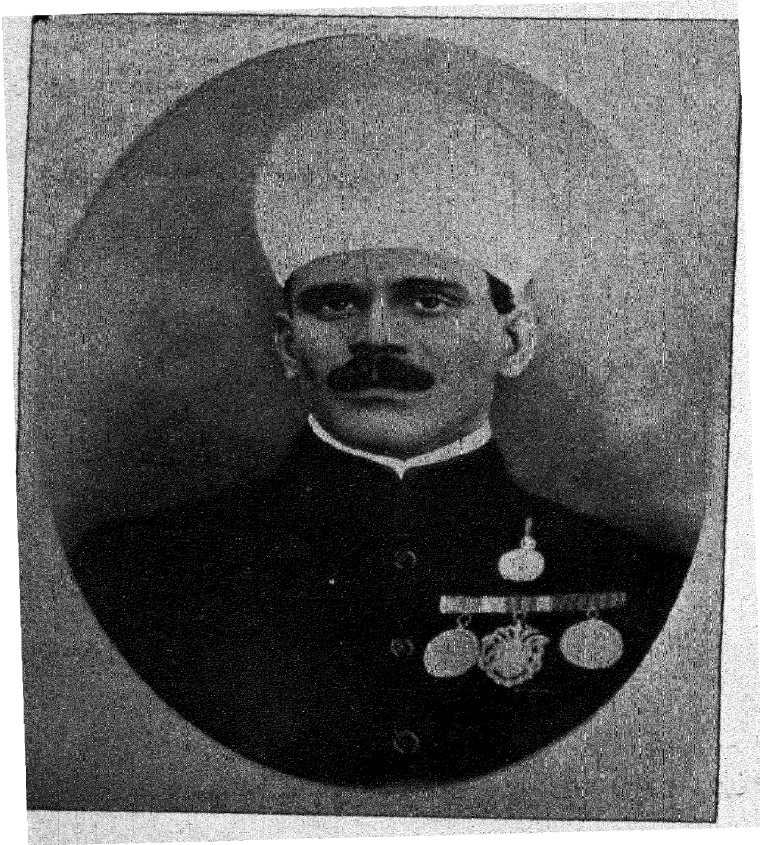
پنڈت حکیم نارائن داس صاحب ویدیان وید معزز رکن مجلس بلدیہ

صدر عثمانیہ بلدی جماعت ۱۳۵۰ف

استعمال اُس وقت بھی کیا جاتا ہے جبکہ دھان کے پودے ایک دو بالشت اُونچے ہو جاتے ہیں۔ اس وقت یہ آلہ استعمال کرنیکا یہ فائدہ ہے کہ اگر پودے بہت گنجان ہوں تو زاید از ضرورت پودے اُکھڑ جاتے ہیں۔ نیز گھاس بھی صاف ہو جاتی ہے۔

۵۔ دوشیا ـــــ یہ آلہ زیادہ تر مٹواڑی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کے ذریعہ بڑی جوار کی تخم ریزی کی جاتی ہے۔

۶۔ تپھن ـــــ دوشیا اور تپھن بالکل ہم شکل ہوتے ہیں۔ ہر دو جوار کی تخم ریزی میں استعمال کئے جاتے ہیں۔ ہر دو کا فرق یہ ہے کہ تپھن میں تین مُٹھن ہوتے ہیں اور دوشیا میں صرف دو زیادہ تر تلنگانے میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اور دوشیا مٹواڑی میں۔ تپھن سے چھوٹی جوار بوئی جاتی ہے اور دوشیا سے بڑی جوار۔ تپھن کے ذریعہ تخم تقریباً ۶ انچ اندر بوئے جاتے ہیں لیکن دوشیا سے صرف تین یا چار انچ اندرون زمین تخم ریزی ہوتی ہے[1]

۷۔ بنڈی (چھکڑا) ـــــ زراعت میں بنڈی کو بہت اہمیت حاصل ہے اسکے ذریعہ ہر قسم کی حمل ونقل میں بڑی سہولت ہوتی ہے۔

۸۔ کوطھو ـــــ موضع ہذا میں قدیم کوطھو کا رواج بالکل ترک ہو چکا ہے اور اب صرف جدید کوطھو زیر استعمال ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ قدیم کوطھو کے مقابل جدید کوطھو سے گنے کا رس بہت عمدگی کیساتھ نکلتا ہے اور کسان اس خوبی سے واقف ہیں لہذا جدید کوطھو گراں قیمت ہونیکے باوجود مشترکہ طور پر خرید لیجاتا ہے[2]

۹۔ متفرق آلات زراعت ـــــ متذکرہ بالا آلات کے علاوہ دیگر چھوٹی قسم کے آلات بھی مستعمل ہیں۔ مثلاً دراتی فصل کی کٹائی وغیرہ کیلئے استعمال کی جاتی ہے۔ زمین کھودنے کیلئے سبل کا استعمال کیا جاتا ہے پھاوڑے سے مٹی نکالی جاتی اور کھیت کی مینڈیں درست کیجاتی ہیں۔ کلھاڑی درخت کترنے کے کام آتی ہے۔

---

[1] دیکھئے تصویر نمبر (۲۲) تپھن اور دوشیا کی وضاحت کیگئی ہے۔

[2] دیکھئے تصویر نمبر (۲۳) بنڈ اور کوطھو دکھلائے گئے ہیں۔

عثمانیہ بلدی کلب

حیدرآباد فرخندہ بنیاد میں مختلف اقوام و ملل صدیوں سے آمن و آشتی کے ساتھ زندگی بسر کرتے چلے آرہے ہیں۔ یہ امر مقام تعجب ہے کہ باوجود مدت مدید سے ایک جگہ زندگی بسر کرنے کے اس وسیع سلطنت میں کوئی ایسا کلب موجود نہیں جو بلا لحاظ مذہب۔ ملت۔ نسل۔ درجہ و مراتب تمام باشندگان ملک کا بحیثیت ارکان خیر مقدم کرتا ہو تاکہ وہ روایاتی باہمی خوش تعلقاتی اور یگانگت جو صدیوں سے قائم ہے مزید مستحکم اور استوار بنیاد پر قائم رہ سکے۔

ان امور کو پیش نظر رکھکر عثمانیہ بلدی جماعت نے حسب ذیل اہم مقاصد کے تحت عثمانیہ بلدی کلب قائم کیا ہے۔

۱۔ اپنے ارکان میں سماجی ہم آہنگی پیدا کرنا۔

۲۔ ارکان کلب میں باہمی میل جول بڑھانا اور ربط و اتحاد پیدا کرنا۔

۳۔ صحت بخش مشاغل کا انتظام کرنا۔

۴۔ مختلف طبقات کے اصحاب سے جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے ساتھ باہم میل جول اور تبادلۂ خیالات کے مواقع پیدا کرنا۔

۵۔ ان مقاصد کے پیش رفت میں کلب نے کتب خانہ و دارالمطالعہ ٹینس فنگر بلیرڈ اور دیگر مختلف مشاغل علمی اور تفریحی کا انتظام کیا ہے علاوہ ازیں ہر ماہ ایک مشترکہ عشائیہ کا بھی انتظام کیا جائے گا۔ جس کے لئے علاوہ چندہ ماہانہ کے (۸ر) فی کس چندہ عشائیہ داخل کرنا ہوگا۔ اس قلیل رقم میں رقم داخل کردہ کی مناسبت سے بالاتر و اعلیٰ پیمانہ پر عشائیوں کا انتظام کیا جائے گا ــــ ان عشائیوں کے علاوہ سالگرہ ہمایونی کے مبارک موقع اور دیگر اہم مواقع پر بھی عشائیے ترتیب دیے جائینگے

کلب کے اوقات ۶ صبح تا ۱۰ شب ہونگے جو مختلف پیشہ ور طبقات کی سہولت کے مدنظر مقرر کئے گئے ہیں اور کبنیت کے لئے چندہ ماہانہ (۴ء) اور فیس داخلہ ایک روپیہ ہوگی۔ ارکان کلب کا ارکان عثمانیہ بلدی جماعت ہونا ضروری ہے جس کا چندہ سالانہ ۴ ر یا یکمشت (۵ء) ہے۔

اس کلب کے قیام سے ایک اہم ضرورت پوری ہوسکے گی اور اس طرح اپنے اغراض مقاصد کے پیش نظر اس کو اہل ملک میں حقیقی خدمت کا صحیح جذبہ پیدا کرنے کا موقع مل سکے گا۔

درخواست ہائے شرکت معتمد عثمانیہ بلدی جماعت سے ۲۷ آبان ۱۳۵۰ف سے حاصل کیجا سکتی ہیں۔ جدید ارکان کیلئے ضرور ہوگا کہ وہ درخواست ہائے شرکت پر موجودہ دو ارکان کی بحیثیت محرک مویّد دستخط حاصل کرے اور خانہ پُری کے بعد درخواستیں معہ چندہ ماہانہ ایک روپیہ وفیس داخلہ ایک روپیہ دفتر کلب واقع معظم بلڈنگ روم نمبر (۲۰) روبروئے معظم جاہی مارکٹ معتمد کے پاس داخل کریں۔ معتمد خود موجودہ ارکان کی تحریک و تائید حاصل کرنے میں درخواستگذاروں کی خواہش پر ان کی مدد کرسکے گا۔

اس کلب کا رسمی پبلک افتتاح بصدارت جناب حکیم نارائن داس صاحب ویدیان وید معزز رکن مجلس بلدیہ وصدر عثمانیہ بلدی جماعت عنقریب عمل میں آئے گا۔ اُمید کہ اہل ملک اس جانب بعجلت ممکنہ توجہ فرمائینگے۔ مناسب ہے کہ درخواستیں معتمد کے پاس جلد از جلد داخل کردی جائیں تاکہ افتتاح کلب کی رسم میں جو عنقریب عمل میں آنیوالی ہے پبلک کے زیادہ سے زیادہ ارکان کو شرکت کا موقع مل سکے۔ فقط

منجانب ارکان عثمانیہ بلدی جماعت

محمد یوسف الدین

(ایم ۔ اے ۔ عثمانیہ)

اعزازی معتمد

مقاصد مجلہ

۱۔ علمی ادبی مضامین، معیاری نظمیں اور جامعہ عثمانیہ کے ایم اے اور ایم ایس سی کی ڈگریوں کیلئے پیش شدہ تحقیقاتی مقالات بالاقساط شائع کرنا۔

۲۔ اردو مطبوعات پر تنقید و تبصرہ شائع کرنا۔

۳۔ انجمن طیلسانیین عثمانیہ کی مختلف سرگرمیوں کی روداد کی اشاعت۔

۴۔ مضامین متعلقہ سیاسیات حاضرہ اور دل آزار تنقیدیں کسی صورت میں قابل اشاعت متصور نہ ہوں گی۔

قواعد

۱۔ یہ رسالہ بہمن، اردی بہشت، امرداد، اور آبان مطابق جنوری، اپریل، جولائی اور اکٹوبر میں شائع ہوگا۔

۲۔ رسالے کی ضخامت کم سے کم ایک سو صفحے ہوگی۔

۳۔ جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

چندہ مجلہ طیلسانیین

خریداران حیدرآباد سے عال سالانہ، فی پرچہ ۸ر

خریداران بیرون حیدرآباد سے عال ۱۲ر سالانہ فی پرچہ ۱۲ر
مع محصول ڈاک

ارکین انجمن طیلسانیین عثمانیہ سے عہ سالانہ
علاوہ محصول ڈاک

نرخ اشتہارات

مقدار		سال بھر	فی اشاعت
پورا صفحہ	سرورق	۵ھ	ے
	اندرونی	احہ	عال
آدھا صفحہ	سرورق	صہ	عصہ ۸ر
	اندرونی	ہے ۱۲ر	عصہ ۲ر
پاؤ صفحہ		عال	۱۰ر
فی سطر		۸ر	۲ر

مطبوعہ
(مطبع نظام دکن واقع بازار چی میاں)